آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے ٭ لو تمہیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۶ — بابت ماہ دسمبر ۱۹۰۷ء — نمبر ۱۲

فہرست مضامین

قرآن کریم کی حفاظت ۱۰ - مسئلہ ناسخ و منسوخ ۴۴۹-۴۶۷

بابی مذہب - ۴ بہاء اللہ کے دعاوی ۴۶۸-۴۷۸

رؤیا و الہامات حضرت مسیح موعود علیہ السلام ۴۷۹

لاہور میں مذہبی جلسہ - ۴۷۹-۴۸۰

قادیان ضلع گورداسپور سے - ۲۰ - دسمبر ۱۹۰۷ء کو مینجر میگزین کے اہتمام سے شائع ہوا - چندہ سالانہ عہ

مندرجہ ذیل کتابیں دفتر میگزین قادیان ضلع گورداسپور سے بذریعہ قیمت طلب پیکٹ مل سکتی ہیں انکا مطالعہ مذہبی تحقیقات اور تاریخی معلومات اور مخالفین کے اعتراضات کی تردید کیلیے نہایت ضروری ہے۔ مفصل فہرست بر ٹکٹ بھیجنے پر ارسال خدمت ہوگی

نام کتاب	قیمت	نام کتاب	قیمت	نام کتاب	قیمت	نام کتاب	قیمت
انوار اللہ اردو	۸/	قاعدہ عربی اردو	۱/	تذکرۃ الشہادتین اردو	۵/	شہادۃ القرآن اردو	۴/
اجرومیہ عربی	۰/	قرآن شریف مترجم مع تفسیر حسینی	عـــہ	" فارسی	۳/	صیان القرآن "	۳/
الذکر یعنی ترجمہ نماز و اسمائے الٰہیہ	۲/	مسک العارف اردو	۱۰/	تحفہ قیصرہ اردو	۲/	کشف الغطاء "	۳/
پارہ الٓمٓ عربی	۲/	نشان آسمانی "	۲/	تحفۃ الندوہ "	۰/	لغات القرآن حصہ اول	۵/
پنج ارکان اسلام - اردو	۱/	واقعات صحیحہ "	۲/	تقریریں "	۲/	" حصہ دوم	عہ/
تفسیر جلالین عربی	عہ/	یسرنا القرآن حصہ اول	۱/	تقریروں کا مجموعہ "	۳/	لیکچر سیالکوٹ اردو	۱۰/
تفسیر فوز الکبیر - عربی فارسی	۲/	" " دوم	۱/	سراج الدین عیسائی کے چار سوالوں کا جواب "	۲/	" لاہور مہوتسو "	۴/
تقریر جلسہ اہب جیبی تقطیع اردو	۲/	" " سوم	۱/	جنگ مقدس عیسائیوں سے مباحثہ "	۶/	مشکوۃ الانوار عربی	۴/
جام شہادت - اردو	۰/	ہدیہ ثاقب اردو	۲/	حمامۃ البشریٰ حصہ اول عربی	۸/	مواہب الرحمٰن "	۴/
حمائل مترجم - فارسی	عہ/	الہدیٰ عربی	۶/	حجۃ الاسلام اردو	۱/	مبادی الصرف	۱/
رپورٹ جلسہ اعظم مذاہب اردو	۸/	الحق لدھیانہ اردو	۶/	خطوط شیعہ کا جواب "	۲/	نسیم دعوت اردو	۳/
سلسلہ دینیہ - اردو	۵/	" دہلی "	۸/	خطبہ الہامیہ عربی معہ ترجمہ فارسی اردو	عہ/	نور القرآن حصہ اول "	۲/
سلاسل القراۃ - عربی نمبر ۱	۴/	اعجاز احمدی - عربی	۳/	خلافت راشدہ حصہ اول اردو	۸/	" " دوم "	۴/
" " نمبر ۲	۸/	احسن الکلام اردو	-/	" " دوم "	۴/	ہدیہ سعدیہ عربی	۲/
" " نمبر ۳	۱۳/	ابطال الوہیت مسیح "	۱/	خزینۃ المعارف حصہ اول دوم	۴/	فضل حق اردو	۱/
" " نمبر ۴	۱۳/	آیات الرحمٰن "	۸/	" " سوم چہارم	۸/	سیرۃ المسیح "	۸/
آریہ دھرم اردو	۴/	دعوت الحق "	۵/	اعلام الناس حصہ دوم	۴/	آسمانی فیصلہ "	۲/
دینیات کا پہلا رسالہ "	۱/	شرح ترمذی - نمبر ۱	عہ/	دعوت دہلی اردو	۱۰/	دافع البلاء "	۱/
طریق النجات نمبر ۱	۸/	شرح ترمذی نمبر ۲	عہ/	دعوت الندوہ "	۱۰/	غنیۃ الطالب - عربی	عہ/
" " نمبر ۲	۷/	احمدی کا من نظم پنجابی	۱/	راز حقیقت "	۱/	شفاء السقام "	عہ/
" " نمبر ۳	۸/	براہین احمدیہ حصہ اول	۵/	براہین احمدیہ حصہ چہارم*	عہ/	ست بچن اردو	۱۰/
" " نمبر ۴	۱۵/	" " دوم	۴/	مکمل براہین احمدیہ اردو	۳ روپے	نوٹ - ان قیمتوں میں محصولڈاک شامل نہیں۔	
عسل مصفّیٰ - اردو	عہ ۸/	" " سوم	۱۰/	سرمہ چشم آریہ اردو	۱۲/		

صبر جمیل بر قول خلیل - ایک دلچسپ نظم مولوی خلیل سہارنپوری کے اعتراضوں کے جواب میں — ۰/

مکتوبات و خطبات محمدیہ - رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خطوط اور خطبے بڑی محنت سے جمع کرکے اردو میں ترجمہ کیے گئے ہیں۔ — ۴/

مکمل براہین احمدیہ جس میں جلد چہارم بار اول کی چھپی ہوئی ہے - سے ۳ روپے کو دفتر میگزین سے مل سکتی ہے۔

* براہین احمدیہ کا حصہ چہارم اصل نسخہ ہے جو حضرت اقدس نے ۱۸۸۴ء میں چھپوایا تھا۔ باقی تین حصے بڑی اہتمام سے

تمام خط و کتابت ان کتابوں کے متعلق دفتر میگزین قادیان سے ہونی چاہیئے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

قرآن کریم کی حفاظت

۱۰۔ مسئلہ ناسخ و منسوخ

ہم پہلے نمبر میں یہ امر ثابت کر آئے ہیں کہ سارے مجموعہ احادیث میں آنحضرت سرور کائنات صلعم سے ایک حدیث بھی ایسی نہیں جس میں صراحتاً تو در کنار کنایۃً ہی اتنا لکھا ہو کہ قرآن شریف میں کوئی ایسی آیت بھی موجود ہے جو منسوخ ہو۔ یا یہ امر مذکور ہو کہ قرآن کریم میں پہلے ایک یا کئی آیتیں مندرج تھیں لیکن بعد میں منسوخ ہوجانیکی وجہ سے انکو اس میں سے خارج کر دیا گیا یعنی کسی صحیح حدیث میں (جو آنحضرت صلعم تک پہنچتی ہو) یہ نہیں لکھا کہ قرآن مجید کے اندر کوئی ایک بھی آیت موجود ہے جو لفظاً یا معناً منسوخ ہو چکی ہو۔ اور نہ ہی کوئی ایسی صحیح حدیث اس بات کی مقر اور مؤید ہے کہ آنحضرت صلعم پر ایسے احکام کسی وقت نازل ہوئے تھے جو جزو قرآن تھے اور قرآن میں شامل کر دیئے گئے تھے اور پھر کچھ عرصہ بعد وہ منسوخ ہو گئے اور قرآن سے نکالدیئے گئے اس میں شک نہیں کہ بعض حدیثیں اس قسم کی موجود ضرور ہیں جن میں لکھا ہے کہ بعض صحابہؓ بعض آیات قرآنی کو منسوخ خیال کرتے تھے۔ لیکن اس قسم کے خیالات حقیقت میں آنحضرت صلعم کے قول و فعل سے ماخوذ نہ تھے بلکہ ان کے اپنے شخصی قیاس اور خیالات تھے۔ اور ان کی اپنی سمجھ پر مبنی تھے۔ کوئی یہ خیال نہ کرے کہ اس بات کو بیان کرکے ہم گویا صحابہؓ کی شان اور عزت پر ہاتھ مارنا چاہتے ہیں۔ ہم سچے دل سے انکی وہی عزت کرتے ہیں جو انکا حق ہے۔ وہ پاکباز لوگ خدا کے لیے ساری دنیا سے علیحدہ ہو گئے تھے۔ اور ہر ایک ذلت اور دکھ کو انہوں نے اس کے لیے برداشت کیا تھا۔ وہ سچے جان نثار اور صادق مخلص تھے اور آنحضرت صلعم کے پکے فدائی اور دین کے خدمتگذار تھے۔ انہیں کی کوششوں سے آج روئے زمین پر دین پھیلا ہوا ہے۔ وہ خدا سے راضی اور خدا ان سے راضی ہوا۔ اے خدا تو اس مقدس قوم صحابہؓ پر بے شمار رحمتیں نازل فرما! لیکن اسلام نے ہم کو شخصیت پرستی کی تعلیم نہیں دی کہ ہم کسی کی ذاتی عزت کی خاطر خدا کے دین کی کسی بات کو چھپائے رکھیں۔ پھر ان لوگوں کی عزت ہی محض دینی عزت ہی۔ اور یہی انکی ابدی زندگی پر دال ہے۔ اس لیے ہم ان تمام امور میں ان کی اتباع کرتے ہیں جو انہوں نے آنحضرت صلعم سے

سیکھ کر۔سن کر۔ اور ان کو عمل کرتے دیکھکر خود اختیار کیے۔ انپر ایمان لائے اور اپنے اعمال میں داخل کیا۔ اور اپنی قولی اور فعلی زندگیوں سے ہمیں ان کے اختیار کرنے اور انپر ایمان لانیکا سبق دیکر پابند کیا۔ ہم ان کی تمام خوبیوں کی اتباع اپنے اوپر واجب جانتے ہیں۔ لیکن ساتھ ہی ہم ان کو بشر مانتے ہیں اور جانتے ہیں کہ وہ نبیوں کی طرح معصوم نہ تھے۔ اور کسی غلطی کا ان میں سے کسی کے عقیدہ میں راہ پا جانا ناممکن نہ تھا۔ چنانچہ ان میں باہمی اختلاف. . . . .

. . . . بھی ہوتے تھے۔ اور وہ ایک دوسرے کی رائے کا خلاف بھی کرتے تھے اور اُن کے اجتہادوں میں بھی اختلاف واقع ہو جاتے تھے۔ اس لیے محض کسی صحابی کا قول کسی دینی امر میں ایسی حجت نہیں کہ جس کی تردید ہم قرآن شریف یا حدیث صحیح سے نہ کر سکیں۔ لیکن اگر کسی ایسے امر پر جسکی سند خدا و رسول سے نہ ہو اور اجل صحابہؓ متفق ہوں اور اکثر دوسرے ایسے امر کے عملدرآمد یا اظہار پر خاموش ہوں تو اسکو بھی ماننا ہم اپنی ذمہ واری میں داخل سمجھتے ہیں۔ لیکن جہاں کسی ایسے امر میں ایک صحابی کے ساتھ کوئی دوسرا صحابی متفق نہ ہو۔ اور اس امر میں دین الٰہی میں حرج صریح ظاہر ہو تو اس حالت میں ہم بغیر دلایل کے ایک بات کو تسلیم نہیں کر سکتے ہاں یہ بات درست ہے کہ وہ لوگ دین خدا اور کلام الٰہی کو بوجہ مصاحبت آنحضرت صلعم بہت زیادہ سمجھتے تھے۔ لیکن اس بات کی مخالفت کوئی بھی نہیں کر سکتا کہ وہ بشر تھے اور بشریت سے جدا نہ تھے۔ اور یہ بھی ممکن نہیں کہ بجز رسول خدا کے دین کی کامل جزئیات پر کوئی شخص پورے طور سے حاوی ہو۔ ہم مثال کے طور پر اسی مسئلہ ناسخ و منسوخ کو پیش کرتے ہیں۔ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے کہ جس کا نشان نہ تو قرآن شریف میں پایا جاتا ہے اور نہ آنحضرت صلعم سے کوئی ذرہ اسکی نسبت نظر آتا ہے۔ بلکہ جس کسی ایک آیت پر کسی ایک صحابی کو اس کے منسوخ ہونیکا خیال پیدا ہوا تو اس کے ساتھ کمتر ہی کوئی دوسرا صحابی متفق ہوا بلکہ ایک آیت کو ایک صحابی نے منسوخ سمجھا تو دوسرے نے اس کی تردید کی اور معنوں میں تطبیق کر کے دکھائی۔ پھر ایسا قول جس میں کسی آیت کو منسوخ کہا گیا ہے اگر حضرت ابو بکرؓ یا حضرت عمرؓ یا حضرت عثمانؓ یا حضرت علیؓ کا ہوتا تو بھی کوئی بات ہوتی۔ علاوہ ازیں یہ بھی مقام غور ہے کہ قرآن مجید وہ کتاب ہے جس کی نسبت اللہ تعالیٰ نے فرمایا بل ھو قرآن مجید فی لوح محفوظ اور انا نحن نزلنا الذکر و انا لہ لحافظون یعنی یہ قرآن مجید لوح میں محفوظ ہے اور اس کی حفاظت کے لیے اللہ تعالیٰ کو ایسی بڑی غیرت ہے کہ کسی بشر کو اس کے لیے اہل نہ بنایا۔ اور نہ کسی غیر پر اس کی حفاظت کا ذمہ ڈالا۔ بلکہ خود اُس سرکار احدیت مدار غفار ستار نے اس مقدس و مجید قرآن کی حفاظت اپنے حیّ و قیوم ہاتھ میں رکھی۔ اصل بات صرف اسقدر ہے کہ بعض آیات کے معنوں میں تطبیق سے عاجز آ کر کسی صحابی نے یہ بھی خیال کر لیا کہ ان میں سے ایک آیت منسوخ ہو چکی ہے اور اس بات کی طرف توجہ نہیں کی کہ اس سے کس قدر نقص لازم آتے ہیں۔

ناسخ و منسوخ کے قائل اپنے دعویٰ کی دلیل میں دو آیتیں قرآن کریم کی پیش کرتے ہیں اس حصہ مضمون میں ہم انہی دونوں آیتوں کے معنوں پر بحث کریں گے اور یہ دکھائیں گے کہ ان آیات سے قرآن کریم میں نسخ کا استدلال پکڑنے میں کیسی غلطی کی گئی ہے

وہ آیات یہ ہیں۔ (۱) ما ننسخ من اٰیۃ او ننسھا نأت بخیر منھا او مثلھا۔ الم تعلم ان اللّٰہ علیٰ کل شیءٍ قدیر۔ ترجمہ۔ جو آیت ہم منسوخ کرتے یا فراموش کراتے ہیں اس کی بجائے یا تو اس سے بہتر اور یا اس جیسی آیت لاتے ہیں کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ ہر شے پر بڑا قادر ہے۔ (۲) و اذا بدلنا اٰیۃ مکان اٰیۃ واللہ اعلم بما ینزل قالوا انما انت مفترٍ بل اکثرھم لا یعلمون۔ ترجمہ۔ اور جب ہم ایک آیت کو دوسری آیت کی جگہ بدلتے ہیں۔ اور خدا خوب جانتا ہے جو وہ نازل کرتا ہے۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ تم مفتری ہو (مگر ایسا نہیں) بلکہ اکثر ان میں ایسے ہیں جو کچھ بھی نہیں جانتے۔ یہی دو آیتیں ہیں جو مسئلہ ناسخ و منسوخ کے حامی اپنی حمایت اور تائید میں پیش کرتے ہیں۔ اور انکو معنے وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ان دونوں میں قرآن شریف کی آیتوں کا بدلنا اور منسوخ ہونا مراد ہے۔ لیکن سیاق و سباق کلام سے ثابت ہوتا ہے کہ انہوں نے جو معنے اختیار کیے ہیں وہ صحیح نہیں۔ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں آیتوں میں لفظ آیت متنازعہ فیہ ہے۔ اگرچہ عام طور پر یہی سمجھا جاتا ہے کہ آیت سے مراد صرف قرآن شریف کے جملے یا قرآن شریف کی آیات ہیں لیکن دراصل اس کے معنے اسی حد تک محدود نہیں۔ یہ لفظ وسیع المعانی ہے۔ آیت کے اصل معنے علامت کے ہیں۔ اور آیت قرآن سے مراد اس قدر حصہ کلام الٰہی کا ہے جس پر کلام منقطع ہوتا ہو۔ اور اسی طرح یہ لفظ آیت کسی دوسری کلام یا کتب الٰہی کی آیات کو ظاہر کرتا ہے اور آیت سے مراد حکم بھی ہے خواہ وہ حکم ایک ہی آیت قرآنی میں ہو یا کسی سورۃ کی ایک فصل یا زیادہ فصلوں میں ہو اور آیت کے معنے رسالت کے بھی ہیں۔ اور معجزہ بھی اس کے معنے ہیں۔

اس بحث میں امر تنقیح طلب یہ ہے کہ ان دونوں آیتوں میں لفظ آیت کے کیا معنے ہیں؟ اوّل ہم یہی فرض کرتے ہیں کہ اس جگہ بھی مذکورہ بالا دونوں آیتوں میں لفظ آیت سے مراد قرآن کریم کی آیات یا جملے ہی ہیں اب دونوں جگہ اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ہے کہ ایک آیت کو منسوخ کر کے یا اسکو بدل کر اس کی جگہ دوسری آیت نازل کرتے ہیں پس آیت سے مراد آیت قرآنی لیکر بھی نتیجہ صرف یہ نکلتا ہے کہ ان دونوں مقاموں میں اللہ تعالیٰ نے اپنا یہ قانون بیان فرمایا ہے کہ کوئی آیت منسوخ اسطرح پر ہوتی ہے کہ اس کی جگہ ایک دوسری آیت بھیجدی جاتی ہے۔ پس ان معنوں کی رو سے اس صحیفہ مبارک میں جو ہمارے ہاتھوں میں ہے کوئی آیت منسوخ موجود نہیں ہو سکتی کیونکہ اگر کوئی آیت بفرض محال منسوخ بھی ہوئی تو وہ منسوخ شدہ آیت قرآن کریم میں باقی نہیں بلکہ اس کی جگہ ایک دوسری آیت نازل فرمائی گئی۔ پس بہر حال یہ تو ماننا پڑا کہ خواہ کچھ ہی معنے لفظ آیت کے لیے جائیں یہ خیال کہ قرآن شریف میں کچھ منسوخ آیتیں موجود ہیں بالکل غلط ثابت ہوتا ہے۔ اب اگر ایسی کوئی منسوخ آیتیں تھیں تو حدیث صحیح سے ہی انکا پتہ لگنا چاہیئے۔ مگر جیسا کہ ہم گذشتہ مضمون میں بسط اور تفصیل کے ساتھ دکھا چکے ہیں کسی صحیح حدیث سے کسی ایسی آیت قرآنی کا پتہ نہیں لگتا جو پہلے قرآن کریم کے اندر درج تھی اور بعد میں منسوخ کر کے نکال دی گئی اور اس کی جگہ ایک دوسری آیت نازل کر دی گئی پس معلوم ہوا کہ صحیح حدیث لفظ آیت کے ان معنوں کی تائید نہیں کرتی جو ہم نے بغرض دلیل تسلیم کر لیے تھے۔ کیونکہ اگر کچھ آیات منسوخ

ہوئیں تو ضرور صحیح احادیث میں کوئی نہ کوئی تذکرہ اس قسم کا موجود ہوتا کہ فلاں آیت قرآنی فلاں وقت منسوخ

ہو کر اس کی بجائے فلاں آیت نازل ہوئی۔ اس لیے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس جگہ مراد آیت قرآنی لینا درست نہیں۔
اس کے ماسوا ان دونوں آیتوں کے یہ معنے جو مؤید نسخ آیات قرآنی سمجھے جاتے ہیں سیاق و سباق اور ربط وضبط عبارت و مضمون سے بھی غیر صحیح قرار پاتے ہیں۔ مثلاً پہلے اگر آیت ماننسخ من اٰیۃ الخ ہی لی جائے جو پارہ اول کے تیسرے ربع کے اخیر میں ہے تو وہاں اس سے پہلے جو آیت واقع ہے اس میں یہودیوں کی عداوت کا مذکور ہے اور ان کے اس خیال کی تغلیط درج ہے کہ الہام بجز بنی اسرائیل کے کسی اور کو نہیں دیا جاسکتا۔ اسی طرح اس کے بعد کی آیتوں میں بھی اسی قسم کا مضمون درج ہے۔ پھر دوسری آیت جو اس مسئلہ کی تائید میں پیش کیجاتی ہے واذا بدلنا اٰیۃ مکان اٰیۃ الخ (النحل ع) اس آیت کو بھی اگر بغور دیکھا جائے تو ظاہر ہو رہا ہے کہ یہ ایک نئے رکوع کی ابتدائی آیت ہے۔ اور اس کے بعد کی متصلہ آیات میں یہ مضمون چلتا ہے کہ قرآن شریف خدا کی طرف سے ضرورت حقہ کے ساتھ نازل ہوا ہے۔ آنحضرت صلعم کا خود ساختہ اور تصنیف کردہ کلام نہیں۔ گویا مضمون مابعد سے یہ امر کسی طرح پایا نہیں جاتا کہ یہاں آیت کے بدلنے سے مراد قرآنی آیت ہے۔

اب ہم لفظ آیت کے وہ صحیح معنے دریافت کرنیکی کوشش کریں گے کہ جو سیاق و سباق آیات کے لحاظ سے بھی صحیح ثابت ہوتے ہیں۔ اس غرض کے لیے ہم آیت زیر بحث کے ساتھ ماقبل یا مابعد کی چند آیات کو بھی نقل کرتے ہیں تاکہ تمام آیات پر یکجائی نظر کرنے سے اصل معنوں پر روشنی پڑے۔ ہم اس طریق کو اس ترتیب سے شروع کرتے ہیں کہ ان دونوں میں سے جو آیت پہلے آئی ہے اسے پہلے لکھتے ہیں اور جو بعد میں آئی ہے اس کو پیچھے لکھتے ہیں۔ چنانچہ ہم آیت ماننسخ من اٰیۃ الخ کو پہلے لیتے ہیں۔ سو واضح رہے کہ یہ آیت سورۃ البقرہ ع کی تیسری آیت ہے اور پہلے پارہ میں ہے۔ (۱) مایود الذین کفروا من اھل الکتٰب و لا المشرکین ان ینزل علیکم من خیر من ربکم ؕ واللہ یختص برحمتہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم۔ ترجمہ۔ جو لوگ اہل کتاب میں سے منکر ہیں نہ تو وہ ہی دل سے چاہتے ہیں۔ اور نہ ہی جو لوگ مشرک ہیں پسند کرتے ہیں کہ تم پر تمھارے رب سے کچھ نیک بات اترے۔ اور اللہ اپنی رحمت کے ساتھ جسے چاہتا ہے خاص بنا دیتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔ (۲) ماننسخ من اٰیۃ او ننسھا نات بخیر منھا او مثلھا ؕ الم تعلم ان اللہ علیٰ کل شیئ قدیر۔ ترجمہ۔ جو منسوخ کرتے ہیں ہم کسی آیت میں سے یا اس کو بھلا دیتے ہیں تو پہنچا دیتے ہیں ہم اس سے بہتر یا اس جیسی۔ کیا تم کو معلوم نہیں کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ (۳) الم تعلم ان اللہ لہٗ ملک السمٰوٰت و الارض ؕ و ما لکم من دون اللہ من ولی و لا نصیر۔ ترجمہ۔ کیا تم کو معلوم نہیں کہ آسمانوں اور زمین کی سلطنت اللہ ہی کی ہے۔ اور اللہ کے سوائے تمھارا کوئی حامی اور مددگار نہیں۔ (۴) ام تریدون ان تسئلوا رسولکم کما سئل موسیٰ من قبل ؕ و من یتبدل الکفر بالایمان فقد ضل سواء السبیل۔ ترجمہ۔ اے مسلمانو! کیا تم بھی چاہتے ہو کہ سوال

شروع کرو اپنے رسول سے جیسے سوال ہو چکے ہیں پہلے موسیٰ سے اور جو کوئی کفر کو ایمان کے بدلے لیوے وہ بھولا سیدھے راہ سے۔ (۵) ود کثیر من اھل الکتٰب لو یردونکم من بعد ایمانکم کفاراً حسداً من عند انفسھم من بعد ما تبین لھم الحق فاعفوا واصفحوا حتی یاتی اللہ بامرہ ان اللہ علیٰ کل شیٔ قدیر۔ اہل کتاب میں سے بہتوں کا دل یہی چاہتا ہے کہ تم کو ایمان لانیکے بعد مرتد کر کے کافر بنا دیں اپنے نفسوں ہی کے حسد سے۔ بعد اس کے کہ کھل چکا انپر حق سو تم درگذر کرو اور خیال میں نہ لاؤ جب تک کہ لاوے اللہ اپنے امر کو تحقیق اللہ ہر شے پر قادر ہے ؎ مفسرین میں سے جو لوگ اس عقیدۂ ناسخ و منسوخ پر قایم ہوئے ہیں وہ یہ لکھتے ہیں کہ آیت زیر بحث اُس وقت نازل ہوئی تھی جب یہودی لوگ اس ناسخ و منسوخ کے عقیدہ کی مذمت میں حد سے تجاوز کر گئے تھے۔ پھر آیت ان کے طعن و تشنیع کے جواب میں نازل ہوئی تھی چنانچہ اس کی تائید میں وہ ایک حدیث بھی پیش کرتے ہیں کہ "یہودی لوگ مسلمانوں کو سخت طعن و تشنیع کرتے تھے اور کہتے تھے کہ کیا تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف نہیں دیکھتے کہ وہ تم کو ایک کام کا حکم سناتا ہے اور پھر اسی حکم کردہ کام سے ممانعت کرتا ہے۔ اور پہلے حکم کے برخلاف ایک نیا حکم دیدیتا ہے۔ وہ ایک بات آج کہتا ہے اور دوسرے دن ہی اس کو بدل ڈالتا ہے"۔ دراصل ایک یہی حدیث ہے جس کو مدنظر رکھکر ان لوگوں نے اس آیت کے یہ معنے سمجھ رکھے ہیں کہ گویا اس سے قرآن شریف کی آیات کا منسوخ ہونا ثابت ہوتا ہے۔ لیکن جس طرح شان نزول کے متعلق بہت سی احادیث قابل اعتبار نہیں یہی حال اس حدیث کا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پہلے مسئلہ ناسخ و منسوخ کا عقیدہ دل میں جا کر پھر اسپر حدیثی ثبوت کا رنگ چڑھانے کے لیے یہ حدیث بنائی گئی ہے کیونکہ یہ واقعہ ہی غلط معلوم ہوتا ہے کہ یہودیوں نے ناسخ و منسوخ اوامر و نواہی کے متعلق مسلمانوں کو طعن و تشنیع کیا ہو۔ وہ خود ہی عقیدہ ناسخ و منسوخ کا رکھتے تھے اور اس کو عیب نہ جانتے تھے۔ ایسی حالت میں ان کی زبانِ تشنیع کیسے کھل سکتی تھی۔ نہ تو ان کے طریق و راہ رسم سے ہی ایسا پایا جاتا ہے کہ وہ مسئلہ ناسخ و منسوخ کے متعلق مسلمانوں پر طعن کرتے اور نہ ہی تاریخی شہادت اس بات کو ثابت کرتی ہے۔ اس کے ماسوا جبکہ قرآن کی کوئی آیت کبھی منسوخ نہ ہوئی ہو اور کوئی آیت ناسخ نہ بنی ہو۔ تو کونسا موقعہ ایسا سمجھا جا سکتا ہے کہ جس میں یہودیوں کے دلوں میں مسلمانوں کو اس مسئلہ کے بارہ میں تشنیع کرنیکا خیال پیدا ہو سکتا۔ اور اگر بالفرض کوئی آیت یا آیات قرآنی واقع میں منسوخ اور ناسخ ہوتیں تو بھی یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ کیونکر یہودی لوگ جو خود ہی اس کے ملزم تھے مسلمانوں کو اسی الزام کا تختۂ مشق بناتے۔ شاید کسی کے دل میں یہ گذرے کہ اس بات کا ثبوت ہی کیا ہے کہ یہودی مسئلہ ناسخ و منسوخ کے قائل تھے۔ سو واضح رہے کہ یہ بات ایسی صریح الثبوت ہے کہ جسپر کوئی شک وارد ہو ہی نہیں سکتا۔ ہم نے صرف قیاسی طور پر یہ بات نہیں لکھی۔ ہمارے پاس کافی شہادت اس بات کے ثبوت میں موجود ہے۔ غالباً ہمارے ناظرین جانتے ہوں گے کہ یہودیوں کی مسلم اور مستند دینی کتاب طالمود ہے۔ جس میں موسوی شریعت کے احکام مندرج ہیں اور جو ان لوگوں کی اکثر

مسائل شرعیہ میں رہنما کتاب ہے۔ اور جس پر قریباً تمام یہودیوں کا اتفاق ہے۔ اس کتاب میں ناسخ و منسوخ کے عقیدہ کی تعلیم موجود ہے۔ چنانچہ راڈول ایک فاضل عیسائی جس نے قرآن شریف کا انگریزی زبان میں ترجمہ کیا ہے۔ اس نے جہاں آیت زیر بحث کا ترجمہ کیا ہے وہاں اس کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ "مسئلہ ناسخ و منسوخ کی تعلیم طالمود میں بھی موجود ہے"۔ یہ غور کا مقام ہے کہ حدیث مذکورہ بالا کی بنا تو صرف اس بات پر ہے کہ یہودی لوگ مسئلہ ناسخ و منسوخ کے متعلق مسلمانوں کو ملزم کیا کرتے تھے۔ لیکن ہم نے اوپر واضح کر دیا ہے کہ یہودی آپ ہی اس مسئلہ کے قائل اور سخت حامی تھے۔ اور ان کی اعلیٰ درجہ کی کتب میں اس مسئلہ کی بڑے زور سے تعلیم دی گئی تھی۔ ان کی نسبت یہ گمان کرنا کہ گویا وہ مسلمانوں کو اس مسئلہ کے لیے طعن کیا کرتے تھے صریح غلطی ہے۔ اور ساتھ ہی اس کے جب ہم دیکھتے ہیں کہ تاریخ کے اوراق میں اس کی کہیں شہادت ہی نہیں تو پھر ایسے گمان کا بطلان اور بھی پختہ ہو جاتا ہے۔ اب یہ حدیث جو اس آیت کے لیے گویا بطور شان نزول پیش کی جاتی ہے اس سے یہ پایا جاتا ہے کہ قرآن کریم کی آیات میں اس کثرت سے تنسیخ و ترمیم ہوتی تھی کہ بعض احکام جو آج لوگوں میں شائع کیے گئے دوسرے دن ہی ان کو منسوخ کر ڈالا گیا۔ اور ان کی بجائے نئے اوامر بھیجے گئے۔ اگر فی الواقعہ قرآن شریف کی آیات اسی طرح منسوخ اور مرمم ہوتی تھیں جیسا کہ اس حدیث سے ظاہر ہو رہا ہے تو کیا پھر بھی ایک حدیث ایسے اہم اور ضروری امر پر وارد ہوتی جو ایسی کثرت سے واقع ہوتا تھا۔ بلکہ یہ ضرور تھا کہ اس کے متعلق اور بھی بہت ساری حدیثیں ہوتیں۔ اور صحیح حدیثوں میں اس کا مذکور ضرور ہوتا۔ لیکن ساری اسلامی کتب میں آنحضرت صلعم سے ایک حدیث بھی ایسی پائی نہیں جاتی جس میں لکھا ہو کہ قرآن شریف کی کوئی آیت منسوخ ہو گئی تھی۔ جب اس بات پر غور کیا جاتا ہے کہ کوئی ایک بھی ایسی حدیث نہیں جو کسی قرآنی آیت کے منسوخ ہونے کی تائید کرتی ہو۔ تو فوراً یہ قیاس غالب ہو جاتا ہے کہ یہ حدیث ہی وضعی اور جھوٹی ہے۔ کیونکہ یہ ممکن ہی نہیں کہ آنحضرت صلعم قرآن کریم کی آیات اوامر کو آئے دن منسوخ اور ترمیم کرتے رہتے ہوں۔ اور اس کا ذکر کسی حدیث میں نہ ہو۔

یہاں تک تو ہم نے آیت زیر بحث کے شان نزول کا فیصلہ کر دیا ہے۔ اب ہم اس کے صحیح مفہوم کے دریافت کرنے کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جو اس کے سیاق و سباق سے ثابت ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس آیت سے پہلے جو آیت قرآن شریف میں مرقوم ہے اس میں ان یہودیوں کا حال خصوصیت کے ساتھ لکھا ہے جن کا ذکر اس سے پہلی آیتوں میں آیا ہے کہ وہ صرف اسی وحی یعنی کتاب منزل من اللہ کو مانتے تھے جو انپر یعنی بنی اسرائیلی نبیوں پر نازل ہوئی تھی۔ اور آنحضرت صلعم کی وحی سے منکر تھے۔ غرض اوپر یہودیوں کے تعصب اپنے خودپسندی اور غرور کا ذکر ہے اور دکھایا گیا ہے کہ یہ لوگ ایسے تنگ ظرف اور کوتاہ نظر ہیں۔ اور خدا کی خدائی کو ایسا محدود اور محصور سمجھتے ہیں اور اس کو ایسا قوم پرست اور طرفدار جانتے ہیں کہ سوائے ان کی قوم بنی اسرائیل کے الہام الٰہی کے نزول کے لیے کسی غیر بنی اسرائیل کو اہل ہی نہیں سمجھتا۔ اور کسی کو بجز یہودی نبیوں کے وہ الہام کے شرف سے مشرف نہیں فرماتا اور کسی غیر بنی اسرائیل کو اس عزت سے ممتاز نہیں فرماتا۔ وہ

لوگ اس عقیدہ میں ایسے غالی ہو گئے تھے کہ آنحضرت صلعم کی وحی کے بھی منکر تھے۔ ان لوگوں نے الہام الٰہی کو اسرائیلی گھرانے کے لیے پیٹنٹ سمجھ رکھا تھا۔ اور یہ دیکھ ہی نہ سکتے تھے کہ کوئی غیر اسرائیلی وحی الٰہی کا شرف پائے۔ ان کے دل چاہتے ہی نہ تھے کہ کوئی بھلائی کسی دوسرے کو نصیب ہو۔ اور کوئی شرف کسی غیر اسرائیلی کو حاصل ہو۔ چنانچہ اس کے بعد کی آیت میں انکے دلوں کی حالت بیان کی گئی ہے کہ "وہ دل سے چاہتے ہی نہیں کہ کوئی بھلائی تم کو پہنچے"۔ یعنی تمھیں بھی الہام الٰہی کی عزت ملے۔ دراصل جس لفظ کا ترجمہ ہم نے بھلائی کیا ہے وہ قرآن شریف کی آیت میں لفظ خیر ہے۔ خیر کے معنے ہی اس جگہ وحی الٰہی کے ہیں۔ اور یہی معنے لفظ رحمت کے ہیں۔ واللہ یختص برحمتہ من یشاء کے معنے یہ ہیں کہ خدا جس شخص کو پسند کرتا ہے اپنے فیضان وحی سے مستفیض کرنیکے لیے مخصوص اور منتخب کر لیتا ہے۔ یہی معنے سیاق و سباق عبارت سے سمجھ میں آتے ہیں اور اسی پر مفسرین کا اتفاق ہے۔ اہل کتاب کو نفس وحی تو بُرا نہیں معلوم ہوتا تھا۔ انہیں تو یہ بات ناگوار گذرتی تھی کہ آنحضرت صلعم جو اسمٰعیلی ہیں اس شرف سے کیوں مشرف ہوئے۔ چنانچہ امام رازی بھی یہی معنے اسجگہ لکھتے ہیں کہ انکو یہ بات نہ بھاتی تھی کہ تم یعنی اہل عرب جو بنی اسمٰعیل ہیں اس فیضان عظیم سے ممتاز ہوں۔ بلکہ اس کا حق بنی اسرائیل کے لیے مخصوص اور پیٹنٹ رہنا چاہیے تھا۔ غرض اس قسم کے واقعات اسوقت بنی اسرائیل اور بنی اسمٰعیل میں پیدا ہو رہے تھے۔ اور بنی اسرائیل اپنے سروں میں یہی گھمنڈ لیے بیٹھے تھے کہ ہماری قوم ہی ہمیشہ کے لیے مکالمہ اور الہام الٰہی کے شرف کے لیے مخصوص ہے مگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ لوگ اس فضل کے اہل نہ رہے تھے۔ خدا نے ایک اور قوم کو مختص اور ممتاز کر لیا تھا۔ اور آیت ما ننسخ من آیۃ الخ میں اس بات کا کھلے طور سے ذکر کر دیا کہ یہودی لوگ جو اس قدر رگیں پھلا پھلا کر کہہ رہے ہیں کہ اس فضل الٰہی کا سوائے ہماری قوم کے کسی کو حق ہی نہیں پہنچتا۔ یہ بات انکی غلط اور باطل ہے۔ ہم تو جب چاہتے ہیں کسی شریعت کو منسوخ کر دیتے ہیں اور اس کی یاد ہی دنیا سے اُٹھا دیتے ہیں اور اس کی بجائے ویسا ہی سلسلہ یا اس سے بھی بہتر سلسلہ قایم کر دیتے ہیں۔ یہ ایک طبعی سلسلۂ حالات ہے جس کو آیت مذکورہ بالا نے اپنے الفاظ میں ادا کیا ہے۔ کہ ہم نے بنی اسرائیل کے سوا ایک اور قوم میں اہلیت دیکھکر ان کو شرف الہام سے ممتاز کیا ہے اور بنی اسرائیل کا نام صفحہ ہستی سے مٹا دیا ہے یہانتک کہ ان کی شریعت کی بجائے نئی شریعت دیدی ہے۔ اس سے پہلی آیت میں یہ امر واضح کیا گیا ہے کہ بنی اسرائیل جو یہ گمان لگائے بیٹھے ہیں کہ ان کی قوم سے باہر کوئی شخص مکالمہ و مخاطبہ الٰہی سے مشرف نہیں ہو سکتا یہ ان کی غلطی ہے خدا تو اپنے بندوں میں سے بلا قید قومیت جسے چاہتا ہے اسے اس فیض عظیم کے لیے چن لیتا ہے۔ یہ آیات بنی اسرائیل کی غلط خیالیوں کو رفع کرنے اور ان کے اعتراضوں کا جواب دینے اور فضل الٰہی کا کسی قوم سے مخصوص نہ ہونے بلکہ یہ ظاہر کرنیکے لیے نازل ہوئیں کہ خدا رب العالمین ہے اُس کا فضل عام ہے جسے چاہتا ہے اس کے لیے منتخب کر لیتا ہے۔ جب انکی غلطی کا اس طرح ازالہ واللہ یختص برحمتہ من یشاء کے ساتھ کیا گیا۔ اور اُن کو کھول کر بتایا گیا کہ آنحضور سرور کائنات صلعم اور انکی

امت کو اللہ تعالیٰ نے اس فضل عظیم کے لیے مختص اور منتخب کر لیا ہے۔ تو پھر یہ بات واضح کرنی ضروری تھی کہ جس شریعت (موسوی) پر ان کو ناز ہے وہ شریعت بھی منسوخ کر دی گئی۔ اور اس کی بجائے شریعت محمدی نازل کی گئی۔ اور یہ بات بیان فرمائی کہ ہم نے شریعت کو یونہی بیفایدہ منسوخ نہیں کیا۔ بلکہ ہم جس آیت کو منسوخ کرتے یا فراموش کراتے ہیں تو اس کی بجائے ضرور اس سے بہتر یا کم از کم اس جیسی آیت نازل کر دیتے ہیں۔ غرض آیت ما ننسخ من اٰیۃ او ننسھا الخ میں آیت کے معنے شریعت ثابت ہوتے ہیں اور جس شریعت کے منسوخ ہونے کی طرف اشارہ ہے وہ شریعت موسوی ہے۔

غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آیت مذکورہ بالا میں ناسخ آیات کے دو درجے رکھے گئے ہیں۔ پہلا درجہ تو یہ ہے کہ جو آیت منسوخ یا فراموش کرائی جاتی ہے اس کی بجائے اس سے بہتر آیت نازل کیجاتی ہے۔ اور دوسرا درجہ یہ ہے کہ اس آیت کی بجائے اس جیسی آیت نازل ہوتی ہے۔ لفظ آیت جو اس مقام پر واقع ہوا ہے اس کے معنوں کو زیادہ وضاحت سے سمجھنے کے لیے یہ دیکھنا ضروری ہے کہ اگر ہم اس جگہ اس سے قرآنی آیت ہی مراد لیں تو اس ایک آیت کو منسوخ کر کے اس کی جگہ ویسی ہی دوسری آیت بھیجنے سے کیا مطلب ہوا؟ ظاہر ہے کہ یہ ایک بے معنی سی بات ہو جاتی ہے کہ خدا ایک آیت قرآنی نازل فرماتا ہے پھر اس کو منسوخ کر کے اس جیسی ایک اور آیت نازل کرتا ہے۔ لیکن اگر آیت سے مراد اس جگہ پہلی شریعت کو لیا جاوے تو یہ دقت نہیں رہتی اور آیت کے معنے واضح ہو جاتے ہیں۔ قرآنی احکام موسوی شریعت کے لحاظ سے دو قسم کے کہلا سکتے ہیں۔ اول ایسے احکام جنہوں نے پہلے احکام کو منسوخ کیا اور ان کی بجائے ان سے بہتر احکام دیئے اور دوسرے ایسے احکام جن کو منسوخ کر کے ان جیسے احکام نازل فرمائے۔ پہلی قسم کے احکام تو ایک ظاہر بات ہے شریعت موسوی میں بلحاظ ضروریات زمانہ اور قوم کے ایک خاص حکم دیا گیا تھا اب ان ضروریات کے بدل جانے سے اللہ تعالیٰ نے اس کی بجائے ایک بہتر حکم نازل کیا جو ہمیشہ کے لیے اور ہر حال پر حاوی ہے۔ مگر شریعت موسوی میں ایسے احکام بھی تھے جو ہر زمانہ اور ہر قوم کے لیے ہو سکتے تھے پس ایسے احکام کو خدا نے شریعت قرآنی میں بھی رکھا جیسے قرآن شریف میں لکھا ہے یا ایھا الذین اٰمنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم۔ یعنی اے ایمان والو تم پر روزہ اسی طرح واجب کیا گیا ہے جس طرح ان لوگوں پر واجب تھا جو تم سے پہلے تھے جس کا مطلب یہی ہے کہ جیسے پہلی شریعت (موسوی) پر چلنے والوں کے لیے واجب تھا ویسے ہی مسلمانوں پر بھی روزہ واجب کیا گیا ہے پس جب شریعت موسوی منسوخ ہوئی تو جو احکام اس میں ایسے تھے جو ہمیشہ کیلئے ہر زمانہ پر حاوی ہونے چاہییں ان کی مثل قرآن کریم میں احکام نازل فرمائے گئے۔ اس طرح سے ان الفاظ کا مطلب واضح ہو جاتا ہے کہ ہم ایک آیت کو منسوخ کر کے اس کی جگہ اس سے بہتر یا ایسی ہی آیت نازل کرتے ہیں لیکن اگر آیت کے یہ معنے نہ لیے جائیں تو یہ فقرہ بے معنی ہو جاتا ہے۔

اس امر پر زیادہ روشنی ڈالنے کے لیے ہم اسجگہ پر شریعت موسوی کی حقیقت پر ذرا غور کرتے ہیں۔ یہ شریعت بھی الٰہی شریعت تھی جو وحی الٰہی کے ذریعہ سے قایم ہوئی تھی۔ اس کی بنا دو حصوں پر تھی۔ ایک حصہ تو اس میں ایسے احکام تھے جو عالمگیر اور مستقل تھے اور دوسرے حصہ میں مختص القوم اور مختص الزمان احکام تھے۔ یعنی اس شریعت میں بعض احکام ایسے تھے جن پر تمام دنیا کے لوگ ہمیشہ اور مستقل طور پر عملدرآمد کر سکتے تھے۔ اور اکثر احکام وہ تھے جو بنی اسرائیل کے لیے مخصوص تھے اور جن پر ان حالات کے رو سے عمل کرنا انپر مؤکد کیا گیا تھا۔ جو انپر مقامی اور زمانی ضروریات کی وجہ سے وارد تھے۔ اس لیے قرآن شریف کے نزول سے پہلی قسم کے احکام تو بحال رہے یا بالفاظ دیگر ان جیسے احکام اس شریعت میں بھی نازل ہوئے لیکن دوسری قسم کے احکام مطلق طور پر منسوخ ہوگئے اور انکی بجائے بہترین احکام نازل ہوگئے۔ یہ ایک ایسا طبعی سلسلہ ہے کہ فی الحقیقت ہر ایک شریعت جو کسی پہلی شریعت کو منسوخ کرکے اسکی بجائے قایم ہونیکا دعوے کرے اُس کیلیے اس راہ سے گذرنا ضروری ہے۔ اور یہی مراتب اس میں بالطبع مرعی اور مرکوز ہونے لازمی ہیں یہی وجہ تھی کہ اس آیت زیر بحث میں اسی فطری قانون کا بیان کیا گیا ہو مگر اس میں کسی ناسخ و منسوخ شریعت کا نام نہیں ظاہر کیا گیا۔ یہ معنے آیت کے سیاق و سباق کے لحاظ سے ایسے صاف ہیں کہ انپر کوئی اعتراض وارد نہیں ہو سکتا۔ اگر یہ کہا جائے کہ آیا لفظ آیت کا استعمال ان معنوں میں محاورۂ عرب کے رو سے صحیح ثابت ہوتا ہے؟ تو ہم کہتے ہیں کہ بیشک محاورۂ عرب کے لحاظ سے یہ معنے لفظ آیت کے صحیح ہیں بلکہ یہی معنے اس کے لفظ آیت کے وسیع مفہوم میں داخل ہیں اور لغت کے حوالہ سے ہم اوپر دکھا چکے ہیں۔ کہ لفظ آیت کے معنوں میں رسالت حکم وغیرہ معانی داخل ہیں۔ اور یہ تو ایک مسلم بات ہے کہ لفظ آیت جس طرح قرآن شریف کی آیات پر بولا جاتا ہے پہلی آسمانی کتب کی آیات پر بھی عام طور پر بولا جاتا ہے۔ اسجگہ مخاطب اہل کتاب یعنی یہودی لوگ ہیں اور انہی کو یہ کہا گیا ہے کہ تم قرآن شریف کے وحی ہونیسے انکار کرتے ہو حالانکہ اگر کوئی آیت جو پہلے ہم نے نازل کی تھی اب منسوخ ہوگئی ہے تو اسکی بجائے اس سے بہتر یا اس جیسی آیت ہم نے اور بھی تو نازل کردی ہے پس پہلی کتب کو منزل من اللہ مانکر تم اس کتاب الٰہی سے کیونکر انکار کرسکتے ہو جس کی کوئی آیت تمھاری پہلی کتابوں کی آیات سے کم درجہ کی نہیں بلکہ ان جیسی یا ان سے بھی بہتر ہے۔ ایسا ہی جو آیات آیت زیر بحث کے بعد میں ہیں ان سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ ان آیات قرآنی میں اہل کتاب کو انکے اس خیال کی وجہ سے کہ وحی الٰہی بنی اسرائیل سے باہر کسی کو نہیں ہو سکتی ملزم کیا گیا ہے۔ اگلی ہی آیت میں اللہ تعالیٰ اس ضرورت کو ظاہر فرماتا ہے کہ وہ خدا ساری زمین کا خدا ہے اور ایک ہی قوم کا خدا نہیں کہ ہمیشہ اسی کے ساتھ تعلق رکھے۔ الم تعلم ان اللہ لہ ملک السموات والارض۔ اے مخاطب! کیا تو نہیں جانتا کہ آسمانوں اور زمین کُل کی سلطنت خدا کیلیے ہی ہے۔ یعنی خدا کوئی قومی بادشاہ نہیں کہ ایک قوم کو دوسری پر ترجیح دے۔ اسکی سلطنت ساری زمین پر ہے جب تک بنی اسرائیل میں نیکی اور راستبازی تھی تب تک اس قدوس کا تعلق بھی ان سے تھا اور وہ انسے ہمکلام ہوتا تھا اب اس نے اپنی سلطنت میں سے اپنے کسی اور بندہ کو ممتاز فرمالیا تو تم اسپر ایسا اعتراض کیوں کرتے ہو؟

جس سے خدا کی خدائی کا ہی محدود ہونا لازم آتا ہے۔ علاوہ ازیں اس طرح پر فرمانے سے یہ بھی ظاہر کیا ہے کہ اب مختص الاقوام قوانین یعنی شرائع کی ضرورت نہیں رہی۔ بلکہ وہ اپنی زمین پر جو سب اسی کا ملک ہے ایک ہی قانون رائج کرنا چاہتا ہے جس کی پیروی اس کے سب بندے کر سکیں۔ ان معانی سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ مثلھا سے کیا مراد ہے۔ اور اگر یہ معنے نہ لیے جاویں اور اسجگہ مراد قرآنی آیات کا منسوخ ہونا لیا جاوے تو یہ ایک بے معنی بات ہو جاتی ہے کہ ہم ایک آیت کو منسوخ کر کے اس جیسی ہی دوسری نازل کر دیتے ہیں۔

ایک امر اور تشریح طلب ہے۔ اس آیت میں صرف آیات کے منسوخ کر دینے کا ہی ذکر نہیں بلکہ ان کے بھلا دینے کا بھی ذکر ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ آیات کے بھلا دینے سے کیا مراد ہے۔ اسجگہ ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ چونکہ ننسھا کی ایک دوسری قرأت ننسکھا بھی ہے اس لیے آیت سے مراد سوائے قرآنی آیات کے اور کچھ نہیں ہو سکتا کیونکہ ننسکھا کے معنے ہوئے تجھکو بھلا دیتے ہیں۔ مگر چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے توریت و انجیل کی آیات تو حفظ کی نہیں تھیں جو وہ آپکو بھلا دیجاتیں بلکہ آپ کو صرف قرآنی آیات یاد تھیں اور اس لیے انہی پر بھلانے کا لفظ بھی صادق آسکتا تھا۔ یہ سارے نتائج اس بنیاد پر مبنی ہیں کہ دوسری قرأت ننسکھا ہے مگر ہم کہتے ہیں کہ اس کا ثبوت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ننسکھا پڑھنے کی اجازت بھی دی تھی۔ بخاری کی روایت میں تو صرف ایک ہی دوسری قرأت کا ذکر ہے اور وہ ننسئھا ہے جس کے معنے تاخیر میں ڈالنے کے ہیں سو وہ ہماری ہی معانی کی مؤید ہے گو ہم اس بات کے لیے بھی تیار نہیں کہ بغیر کسی حدیث سے اس بات کے ثابت ہونیکے کہ یہ قرأت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے پڑھی گئی تھی اسکو قطعی قرأت ثانیہ تسلیم کر لیں پس ایک ایسی قرأت کو جس کا ذکر کسی صحیح حدیث میں بھی نہیں ہم کیونکر ایسی معتبر تسلیم کر لیں کہ اسکی بنا پر قرآن شریف کی معنوں کو اُلٹ پلٹ کر دیں۔ ننسھا تو قرآن شریف میں موجود ہے اور ساری اسلامی دنیا اسکو اسطرح پڑھتی آئی ہے۔ پس جو شخص ننسکھا کو معتبر بناتا ہے یہ بار ثبوت اُس کے ذمہ ہے کہ یہ ثابت کرے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قرأت کا پڑھنا یا اسکے پڑھنے کی اجازت دینا ثابت ہے۔ جب ایسا ثبوت پیش کیا جائیگا تو پھر ہم اس قرأت ثانی پر اور اس امر پر غور کریں گے کہ اس سے اصل الفاظ کے معانی پر کیا اثر پڑ سکتا ہے یا اسجگہ واحد مخاطب کون ہے۔ بالفعل ایسی بحث کی ضرورت نہیں۔ ہاں اسقدر ہم یہاں ذکر کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ اگر معترض کی سب باتوں کو بفرض محال تسلیم کر کے ہم آیت کے معنے کریں تو کیا معنے بنیں گے۔ اس صورت میں خلاصہ آیت کا یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر پہلے ایک وحی نازل فرماتا تھا۔ پھر اسی وقت یعنی قبل اس کے کہ ایسی آیت لکھی جاوے یا صحابہؓ میں مشتہر ہووے اس آیت کو بھلا بھی دیتا تھا پھر بجائے اس کے کہ وہی آیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یاد کراوے یا دوبارہ آپ پر نازل فرمادے اس کی جگہ اسی جیسی ایک اور آیت نازل کرتا تھا۔ اب کیا کوئی سمجھدار آدمی ایسا مطلب ان الفاظ کی طرف منسوب کر سکتا ہے؟ اس ساری کارروائی کے نیچے حقیقت کیا تھی؟ اور اس سے کیا مطلب تھا کہ بجائے وہی آیت یاد دلانیکے

ایک نئی آیت اسی جیسی اور نازل کیجاتی۔ کسی صحیح حدیث میں یہ ذکر نہیں کہ کوئی آیت اسطرح پر بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو
بھول گئی تھی کہ پھر اس کا کچھ پتہ نہ ملا۔ بخاری نے ایک باب نسیان القرآن پر باندھا ہے مگر اس میں اسطرح پر کسی آیت
کے بھول جانیکا ذکر نہیں۔ صرف ایک ہی حدیث ہے کہ آپ نے رات کے وقت ایک شخص کو قرآن پڑھتے سنا اور فرمایا کہ فلاں
سورۃ کی فلاں آیت جو مجھے بھول گئی تھی اس نے یاد دلا دی ہے۔ مگر ظاہر ہے کہ یہ بھولنا اس قسم کا نہیں۔ لیکن اگر لفظ
آیت کو وسیع معنوں میں لیا جاوے تو یہ دقت نہیں رہتی کیونکہ بہت سے احکام یا آیات جو پہلے انبیاء پر نازل ہوئی
تھے وہ ایک دراز مدت کے گذرنیکی وجہ سے فراموش ہو گئے تھے اور باقی نہ رہے تھے پس اللہ تعالیٰ نے حسب مصلحت
ان سے بہتر یا ان جیسے احکام یا آیات اور نازل فرمائے۔ اور اسطرح پر سب شرائع کی تکمیل شریعت محمدی میں کر کے
فرمایا الیوم اکملت لکم دینکم اور یہ وہ الفاظ ہیں جو پہلے کسی شریعت کے متعلق نہ فرمائے تھے۔

اب ہم دوسری آیت کو لیتے ہیں جو قرآن شریف میں ناسخ و منسوخ ہونیکی تائید میں بیان کی جاتی ہے۔ اور دو
آیتیں جو اس کے بعد آتی ہیں ان کو بھی نقل کرتے ہیں چونکہ اس آیت سے نیا رکوع شروع ہوتا ہے اس لیے پہلی آیتوں کو
ہم نے نہیں لیا۔ واذا بدلنا آیۃً مکان آیۃٍ واللہ اعلم بما ینزل قالوا انما انت مفتر بل اکثرھم
لا یعلمون۔ ترجمہ۔ اور جب ہم آیت کی جگہ آیت بدلتے ہیں اور اللہ خوب جانتا ہے اس چیز کو جو وہ نازل فرماتا
ہے تو کافر کہتے ہیں تو مفتری ہے اصل بات یہ ہے کہ اکثر ان میں سے نہیں جانتے۔ قل نزلہ روح القدس
من ربک بالحق لیثبت الذین آمنوا وھدی وبشری للمسلمین۔ ترجمہ۔ کہو اُتارا ہے اسکو روح القدس
نے تیرے رب کی طرف سے ضرورت حقہ کے ساتھ تاکہ ثابت کرے ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور ہدایت اور خوشخبری
ہے مسلمانوں کے لیے۔ ولقد نعلم انھم یقولون انما یعلمہ بشر لسان الذی یلحدون الیہ اعجمی
وھذا لسان عربی مبین۔ اور تحقیق ہم جانتے ہیں کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ ایک انسان اسے سکھاتا ہے جس
شخص کی طرف سکھانے کی نسبت کرتے ہیں اس کی بولی تو عجمی ہے اور یہ صاف عربی زبان ہے۔ اگر ہم اسجگہ آیت کا
مطلب صرف ایک جملہ ہی لیں۔ تو ہر ایک پہلی کتاب کا ایک جملہ ایک آیت کہلا سکتا ہے۔ پس اس آیت زیر بحث کے
معنے یہ ہوں گے کہ کسی پہلی کتاب الہامی کی ایک آیت قرآن شریف کی کسی آیت سے منسوخ ہوئی اور بس۔ لیکن
سیاق و سباق اور متن آیت سے یہ پایا جاتا ہے کہ اس سے یہ مراد نہیں کہ قرآن شریف کی کوئی آیت بدلی گئی ہو پہلی
آیت کی بحث میں ہم نے لکھا ہے کہ قرآن شریف میں نسخ کی ذکر کی شان نزول یہ لکھی ہے کہ یہودی مسلمانوں پر نسخ کو
قائل ہونیکی وجہ سے ہنسا کرتے تھے اور اوپر ہم دکھا چکے ہیں کہ اگر اس روایت کا یہ منشاء لیا جائے کہ واقعی قرآن شریف
میں آج ایک حکم نازل ہوتا تھا اور کل اسکو منسوخ کر کے دوسرا حکم دیا جاتا تھا تو یہ روایت صحیح نہیں ہو سکتی۔ ہاں
ایک اور معنے اس روایت کے ہو سکتے ہیں جن کا پتہ احادیث سے بھی ملتا ہے اور وہ یہ جیسا کہ میں آگے چلکر اس آیت کے

معنوں میں مفصل بیان کروں گا مسلمان سابقہ شرائع کے بعض احکام پر یا بعض عرب کے رواج کے مطابق اسوقت تک عمل کرتے رہتے تھے جبتک قرآن شریف کے ذریعہ وہ بات منسوخ نہ ہو جائے اور لفظ نسخ کا ان معنوں میں استعمال بالان احادیث سے ثابت ہے جو ہم نے گذشتہ پرچہ میں نقل کی تھیں۔ پس ان معنوں کی رو سے یہ روایت صحیح ہوسکتی ہے اور اسی کی تائید اب اس دوسری آیت سے اور بھی زیادہ ہوتی ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ یہ آیت سورۃ النحل کی ہے اور النحل مکی سورۃ ہے۔ پس بہرحال یہ ماننا پڑیگا کہ وہ آیت بھی مکی ہی ہے۔ لیکن جو شان نزول نسخ کے ذکر کی مدنی آیت میں مانی جاتی ہے وہی مکی آیت میں بھی ماننی پڑیگی۔ مگر پھر یہ کہنا کہ یہ مکی آیت (جہاں کوئی یہودی رہتا ہی نہ تھا) یہودیوں کے طعن وتشنیع کرنے پر نازل ہوئی تھی کیسا غلط اور خلاف واقع بیان ہے۔ اور اگر اس آیت میں کسی شان نزول کی ضرورت نہیں تو دوبارہ ایک اسی مضمون کی آیت نازل کرنیکے لیے کیوں ایسی ضرورت پیش آئی۔ چونکہ دونوں آیتوں کا مضمون واحد ہے اس لیے ہمیں ماننا پڑیگا کہ دونوں کی شان نزول ایک ہی طرح کی تھی۔ اور وہ صرف اسی صورت میں ہوسکتا ہے کہ یہ مانا جائے کہ ان دونوں کے مضمون میں قرآن کریم سے پہلے احکام یا پہلے رواج یا پہلے شرائع کی تبدیل ہونے یا منسوخ ہونیکا ذکر ہے۔ وھو المقصود۔

اب ہم اس آیت کے معنوں پر بحث کرتے ہیں۔ یہ آیت تو صرف اس قدر بتاتی ہے کہ جب خدا نے ایک آیت کو بدلکر اس کی جگہ دوسری آیت نازل کی تو کفار نے اعتراض کیا کہ یہ نرا افترا اور خود ساختہ مجموعہ ہے۔ اب یہ مسلّم امر ہے کہ جب آنحضرت صلعم نے اعلان فرمایا کہ یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھ پر وحی ہو رہا ہے تو کفار نے اُسی وقت یہ کہنا شروع کردیا کہ یہ افترا ہے اور یہ نہیں ہوا کہ وہ اسکو افترا کہنے سے رُکے رہے ہوں جبتک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حکم قرآنی کو کسی دوسرے حکم قرآنی سے منسوخ بتایا ہو۔ بالفاظ دیگر یہ نہیں ہوا کہ کفار نے قرآن شریف کو پہلے تو افترا نہیں کہا مگر اسوقت کہا جب اس کے ایک حکم کا ناسخ دوسرا نازل ہوا (اگر کوئی ایسا حکم کبھی نازل ہوا جس کا پتہ ہمیں احادیث صحیحہ سے نہیں ملتا) اگر یہ سچ ہوتا کہ کفار نے قرآن شریف کو اسوقت تک افترا نہ کہا ہوتا جبتک کہ خود قرآن شریف میں کوئی مثال نسخ کی پیدا نہ ہوگئی ہوتی۔ تو اس صورت میں اس آیت کا مفہوم یہ لیا جاسکتا تھا کہ اس میں کسی قرآنی آیت یا قرآنی حکم کے منسوخ یا مبدل ہونیکا ذکر ہے۔ لیکن قطعی امر ہے کہ شروع سے ہی کفار کامل قرآن شریف کو افترا کہتے چلے آئے اور اس لیے یہ بات بھی بدیہی طور پر ثابت ہے کہ یہاں کسی حکم یا آیت قرآنی کا منسوخ یا مبدل ہونا مراد نہیں۔ بلکہ مراد اس سے یہ ہے کہ پہلی شریعت کا کوئی حکم یا کوئی آیت منسوخ اور مبدل ہو کر اس کی جگہ قرآن شریف کا کوئی حکم یا آیت نازل ہو کر قایم ہوئی۔ پس جب یہ کہا جاتا ہے کہ ایک حکم یا آیت منسوخ ہوئی اور اس کی بجائے دوسری نازل ہوئی تو یہ کہنا اس کے مساوی ہوتا ہے کہ گویا کسی پُرانے قانون یا رواج کی بجائے کوئی نیا الہام یا قانون نازل ہوا ہے۔

اس کے علاوہ یہ امر بھی غور کے لایق ہے کہ اگر بفرض محال قرآن شریف کی ہزاروں آیات نازل ہوئیں اور پھر وہ منسوخ ہوئیں اور ان کی جگہ نئی آیتیں اُتریں تو یہ سب اسلام کا اندرونی معاملہ ہے اس سے کفار کو تعلق ہی کیا تھا کہ انہیں یہ بات ناگوار گذرتی۔ کوئی عقلمند آدمی ایک لمحہ کے لیے بھی گمان نہیں کرسکتا کہ کافروں کو یہ بات بری معلوم ہوتی تھی کہ کیوں قرآن شریف کے حکم (اگر ایسا ہوا تھا) آئے دن منسوخ اور ناسخ ہوتے رہتے ہیں۔ بلکہ انکے جوش وغضب کو تو اس لیے بھڑکاؤ لگتا تھا کہ وہ رسوم اور رواج جن پر وہ چلتے تھے اور قوانین اور دستور جو انہیں باپ دادوں سے مروج چلے آتے تھے انکو قرآن شریف نے منسوخ کر کے انکی جگہ اعلیٰ درجہ کے حکیمانہ اور مستقل فطری قوانین قایم کر دیئے۔ انکا غصہ اسی لیے بھڑکا تھا کہ ان سے انکے عادی رسم ورواج ترک کرانیکا بیڑا قرآن شریف نے اُٹھایا تھا۔ جو لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ ان کفار کو قرآن شریف کے اندرونی نسخ سے جوش اُٹھتا تھا ان کو یہ سمجھنا چاہیئے کہ رنج اور شماتت کے لیے ایسے وجوہ کا ہونا ضروری ہے جن کا فریق رنج رسیدہ اور آمادہ بشماتت کے ساتھ باواسطہ یا بلا واسطہ سابقہ پڑے۔ جن باتوں سے کسی کو کسی طرح کا سابقہ پڑتا ہی نہیں انپر شماتت ورنج ہی کیونکر ہوسکتا ہے۔ بلکہ کفار تو اس بات کو جانتے تھے کہ اگر قرآن شریف کے اندر سلسلہ ناسخ ومنسوخ موجود ہوتا تو یہ تو اس کی کمزوری پر دال تھا اور اس کے جلد بے اثر اور ضایع ہوجانیکا پیش خیمہ تھا۔ یہ توانکے لیے موجب شادمانی اور خوشی تھا نہ کہ رنج اور شماتت کا محرک۔ اگر قرآن شریف میں نسخ کو ویسا ہی دخل ہوتا جیساکہ حامیان نسخ غلطی سے سمجھتے ہیں تو اس کی ایسی حالت دیکھ دیکھ کر کفار لوگ خوشیاں مناتے اور بغلیں بجاتے۔

اس کے علاوہ ایک اور ضروری بات یاد رکھنے کے قابل ہے۔ کہ مکی سورتوں میں عموماً خدا تعالیٰ کی توحید اور آنحضرت صلعم اور اسلام کی آیندہ کامیابیوں اور اقتدار اور عظمت کا ذکر ہے۔ ان میں بہت تھوڑے اوامر ونواہی موجود ہیں۔ اور جو سورتیں مدینہ منورہ میں نازل ہوئیں انہیں اوامر ونواہی مندرج ہیں۔ قرآن شریف کا مطالعہ کرنیسے پتہ لگتا ہے کہ قریباً وہ تمام حصہ قرآن شریف کا جس میں شریعت ہے مدینہ میں نازل ہوا تھا۔ اب یہ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات اور اقتدار اور توحید غیر متبدل ہیں اور جیساکہ انہیں نسخ کا دخل ناممکن ہے اسی طرح ان پیشگوئیوں کا منسوخ یا مبدل ہونا خارج از قیاس ہے جو آنحضور سرور کائنات صلعم اور اسلام کی آیندہ کامیابیوں کے متعلق ہیں۔ اور یہ دو مضمون مکی سورتوں میں ہیں۔ پس اس بات سے یہ امر ثابت ہے کہ مکی سورتوں میں اور آنحضرت صلعم کی مکی زندگی میں یعنی اس حصہ قرآن میں جو آپ (صلعم) کی ہجرت سے پہلے نازل ہوچکا تھا یہ قیاس کرنا ہی باطل اور غلط ہے کہ نسخ وتبدیل انہیں کسی طرح راہ پا سکتے تھے۔

اسلام کا سب سے پہلا فرض یہ تھا کہ اس خطرناک تاریکیٔ شرک کو دُور کرے جو عالم پر محیط تھی۔ اور اس کی بجائے

توحید کی جہان افروز روشنی سے دنیا کو منور کرے۔ اسی لیے مکہ میں (جو ابتدائی عمر اسلام کی تھی) جتنا قرآن نازل ہوا وہ سب سے پہلی توحید کی تعلیم سے لبریز اور شرک اور بت پرستی کی مذمت اور تردید سے مملو ہے۔ اور آنحضور سرور کائنات صلعم کی سب سے پہلی مشن اسی امر پر مشتمل رہی۔ دوسرے درجہ پر یہ ظاہر کرنا تھا کہ یہی تعلیم جو اسلام پیش کرتا ہے اسلم اور اصح ہے۔ اور نجات اخروی کا موجب ہے۔ کیونکہ یہ دین اور اسکالانیوالا خدا کی طرف سے ہیں اور اس بات کا ثبوت ذہن نشین کرنیکے لیے یہ جتانا ضروری تھا کہ یہ دین جس کو کفار لوگ مساکین اور غربا، کی آماجگاہ سمجھ رہے ہیں اور یہ رسول صلعم جو اسوقت اسباب دنیا نہیں رکھتا انپر وہ زمانہ آنیوالا ہے کہ ہر ایک اعلیٰ اور نیک مراد اور ہر ایک قسم کی کامیابی انہیں کے لیے مخصوص ہو جائے گی۔ اسوقت ایک طرف دشمنوں کا زور اور اُنکی جمعیت اور اُنکا تمول اور اُنکی عزت دوسری طرف آنحضرت صلعم کی بے سروسامانی اور قلت جماعت اور غربت اور پھر اس حال میں علی الاعلان دشمنوں کی ذلت اور آپ (صلعم) کی عزت اور اُنکی تباہی آپ (صلعم) کی کامیابی اور اُنکی نکبت اور آپ (صلعم) کی عظمت اور اُنکی شکست اور آپ (صلعم) کی فتح کا اظہار اور انکا اپنے اپنے وقتوں پر پورا ہونا ان کے منجانب اللہ ہونے پر دلیل قطعی تھی۔ پس قرآن شریف نے اسلام کی اُس بے نوائی اور ابتدائی درماندگی کی زندگی میں جو مکہ میں اسکو بسر کرنی پڑی یہی رویہ اختیار رکھا۔ اور بار بار اس کی فتوحاتِ آیندہ کے نعرے بلند کیے۔ تیسرا کام یہ تھا کہ وہ ذریعہ جس کے ساتھ ایک مومن اپنے خالق و مالک کے ساتھ تعلق وابستہ رکھ سکتا ہے اور اس کے حضور میں اپنی گذارشوں کو قبول ہونے کے لیے پہنچا سکتا ہے اور فواحش سے بچ سکتا ہے اسکی تعلیم کیجائے چنانچہ اس غرض کے لیے نمازوں کے قیام پر بھی مکہ ہی سے زور دینا شروع کیا گیا تھا۔ باقی سارا قرآن جس میں روزہ۔ خیرات۔ صدقات۔ حج۔ نکاح طلاق وراثت۔ ممانعت خمر و قمار بازی حدود سرقہ زنا تہمت وغیرہ۔ کے متعلق احکام اور امر و نواہی ہیں مدینہ منورہ میں نازل ہوا۔ کم ازکم حامیان نسخ کو بھی طوعاً و کرہاً ماننا پڑتا ہے کہ مکی سورتوں میں جس قسم کے مضامین درج ہیں اگر انکے ناسخ و منسوخ ہونیکا اعتقاد رکھا جائے تو وہ گناہ کبیرہ تک نوبت پہنچانیکے اندیشہ کا موجب ہوگا۔ پس اس لحاظ سے نسخ کا قرآنی آیات میں دخل سمجھنا مدنی سورتوں کی حد سے متجاوز نہیں ہو سکتا۔ یعنی اگر کسی طرح سے نسخ یا تبدل کی دسترس گمان ہو سکتی ہے تو وہ مدنی سورتوں میں ہی ہو سکتی ہے۔ اس لیے اگر کسی آیتِ قرآنی کے منسوخ یا مبدل ہونیکا خیال بھی کیا جائے تو وہ صرف کوئی مدنی سورۃ ہی ہو سکتی ہے۔ اور جو واقعات محرک نسخ بیان کیے جاتے ہیں اگر وہ واقع ہوئے بھی تھے تو صرف مدینہ ہی میں ہوئے تھے۔ اور وہ زمانہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا آخری اور تمدن کا زمانہ تھا۔ جن حدیثوں میں قرآن شریف کی بعض آیتوں کے منسوخ یا مبدل ہونیکا ذکر بعض صحابہؓ نے کیا ہے انمیں بھی وہی آیات لکھی ہیں جو مدنی ہیں۔ اور شاہ ولی اللہؒ

نے جہاں ناسخ و منسوخ کی بحث کی ہے وہاں بڑے زور سے تردید کر کے صرف پانچ آیات ایسی لکھی ہیں جن کو انہوں نے منسوخ مانا ہے۔ لیکن وہ پانچوں آیتیں بھی مدنی ہی ہیں۔ غرض اس بات پر حامیان نسخ کا بھی غالباً اتفاق ثابت ہوتا ہے کہ کوئی مکی آیت کسی دوسری آیت کی ناسخ نہیں ہوئی۔ البتہ ان کے نزدیک بعض مدنی آیتیں ناسخ سمجھی جاتی ہیں اور چونکہ آیت زیر بحث مکی ہے اس لیے اس کے معنوں کو اس طرز کے نسخ کے متعلق کرنا ہی غلط ہے۔ یہ ایک ایسا زبردست امر ہے کہ اسپر غور کرنیسے آیت زیر بحث کے معنے خوب واضح ہو جاتے ہیں۔ یہ مانی ہوئی بات ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تھی اسوقت تک کوئی ایسی آیات قرآنی نازل نہ ہوئی تھیں جن میں اوامر ونواہی اور شریعت درج تھی۔ اور خصوصاً وہ آیات اوامر جن کو ناسخ کہا جاتا ہے ہرگز ہرگز اسوقت تک وحی نہ ہوئے تھے۔ کیونکہ یہ آیت مکی ہے اور وہ ساری آیتیں مدنی ہیں۔ پس یہ قطعی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ اس آیت میں قرآنی آیات یا احکام کے منسوخ ہونیکا ذکر ہرگز ہرگز نہیں ہے۔ اس لیے اس آیت میں لفظ آیت کے معنے کوئی قرآنی آیت یا حکم نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اس سے مراد وہ اوامر اور رسومات ہیں جو نزول قرآن شریف سے پہلے لوگوں میں مروج تھے اور جن کو قرآن شریف قلع قمع کر کے منسوخ اور تبدیل کرتا ہے۔ ہم نے آیت ماننسخ من آیۃ او ننسھا الخ میں لفظ آیت کے جو معنے جن دلایل سے ثابت کیے ہیں ان کے علاوہ یہ دلیل بھی اسپر بہت اچھی طرح صادق آتی ہے۔ اگرچہ یہ آیت مدنی ہے لیکن اس میں بھی وہی کیفیت تقریباً پائی جاتی ہے جو مکی آیت میں ہے کیونکہ یہ آیت یعنی ما ننسخ من آیۃ الخ اس زمانہ میں نازل ہوئی تھی جب آنحضرت صلعم مدینہ میں ابھی تازہ وارد ہوئے تھے اور احکام و شرائع بجز بہت تھوڑے اور ابتدائی اوامر ونواہی کے نازل ہی نہوئے تھے۔ پس یہ آیت بھی کسی قرآنی امر ونہی کے نسخ پر دلیل نہیں ہو سکتی۔

اب ایک اور بات غور کے لایق ہے اور وہ یہ ہے کہ آیت زیر بحث میں یہ الفاظ وارد ہیں۔ واللہ اعلم بما ینزل یعنی اللہ بہتر جانتا ہے جو کچھ نازل کرتا ہے۔ پھر اسکے بعد دوسری آیت جو اس کے متصل ہے اس میں لکھا ہے قل نزلہ روح القدس من ربک بالحق لیثبت الذین اٰمنوا وھدی وبشریٰ للمسلمین۔ تو کہہ! اسکو اتارا ہے پاک فرشتہ نے تیرے رب کی طرف سے ضرورت حقہ کے ساتھ تاکہ ثابت کرے ایمان والوں کو اور ہدایت اور خوشخبری ہے مسلمانوں کے لیے۔ اب اگر آیت زیر بحث سے وہی مطلب لیا جائے جو نسخ کے حامی لیتے ہیں کہ اس میں کسی ایک آیت قرآنی کے منسوخ یا مبدل ہونے اور اس کی بجائے کسی دوسری آیت کے نازل ہونیکا ذکر ہے یا یہ کہ عام طور پر بعض قرآنی آیات کے منسوخ ہونیکا بیان ہے تو اس بات کا ماننا لازمی ہوگا کہ یہ دونوں اوصاف یعنی واللہ اعلم بما ینزل اور قل نزلہ روح القدس الخ صرف اس ایک یا ان چند آیات تک ہی محدود رہتے ہیں جن کی نسبت یہ بیان کیا گیا ہے کہ گویا وہ کسی ایک یا چند آیات قرآنی کے

ناسخ ہیں۔ اسحالت میں سارے قرآن کریم کی نسبت یہ اوصاف ہرگز سمجھے نہیں جا سکتے۔ لیکن اگر نسخ اور تبدل سے مراد یہ لیجاوی کہ گویا پہلی کتاب یا شریعت کی بجائے فرقان حمید نازل ہوا ہے تو پھر یہ دونوں صفتیں سارے قرآن پر اطلاق پاتی ہیں۔ اب یہ بات محتاج بیان نہیں کہ ایسا کلام کہ "اللہ جس چیز کو نازل کرتا ہے اس کو بہتر جانتا ہے" اور "اسکو پاک فرشتہ نے رب کی طرف سے اُتارا ہے" اور "ضرورت حقہ کے ساتھ اُتارا ہے" اور "تاکہ ثابت کرے ایمان والوں کو اور راہ کی سوجھ اور خوشخبری مسلمانوں کو" صرف اس ایک یا چند آیات قرآنی کے لیے محدود نہیں ہو سکتا جو کسی ایک یا چند آیات قرآنی کی ناسخ ہوں۔ بلکہ یہ سارے قرآن شریف پر حاوی ہے اور ساری قرآن شریف کی صفت ہے ہم صرف اتنے قیاس سے ہی اس بات کے ثبوت کو اپنی تائید پر محتوی نہیں سمجھتے بلکہ قرآن کریم میں اکثر مقامات پر قریباً قریباً اسی قسم کے جملے وارد ہیں اور مسلم ہے کہ جہاں کہیں ایسے جملے ہیں وہ سب قرآن کامل کے لیے ہیں نہ کہ کسی خاص جزو قرآنی کے لیے۔ اور کوئی خصوصیت اس مقام پر ایسی موجود نہیں جس سے انکا مصداق سمجھنے کے لیے ہم سارے قرآن کو محروم کر دیں اور ایک یا چند آیتوں کو مخنص اور منتخب کریں۔ اس کے علاوہ ایک قرینہ اسجگہ پڑا ہوا ہے یعنی نزلہ کی ضمیر بما ینزل کی طرف ہے۔ اور بما ینزل میں ذکر اس آیت کا ہے جسکی متعلق پہلے فرمایا وَاِذَا بَدَّلْنَآ اٰيَةً مَّكَانَ اٰيَةٍ ۔ اب چونکہ روح القدس کے اُتارنیکا تعلق کل قرآن شریف سے ہے اس لیے معلوم ہوا کہ اسی کل کا ذکر پہلے بھی واللہ اعلم بما ینزل میں موجود ہے پس اذا بدلنا اٰیۃ میں سیاق وسباق اور اصطلاح قرآنی کی رو سے عیاں طور پر کامل قرآن شریف کیطرف اشارہ ہے۔ ایسا ہی اس کے بعد کی آیت بھی اسی نتیجہ پر پہنچاتی ہے۔ کیونکہ کفار شرارت کی وجہ سے آنحضرت صلعم پر یہ بہتان باندھتے تھے کہ گویا آپ کو کوئی شخص گھر کے اندر مخفی طور پر تعلیم دیتا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ انکا یہ اتہام ان چند مزعومہ ناسخ آیات کے متعلق نہ تھا بلکہ سارے قرآن شریف کے متعلق تھا۔ پس یہ امر ثابت ہے کہ ان ساری متصلہ آیات میں مشارالیہ مشترک اور ایک ہے اور وہ کامل قرآن شریف ہے۔ اس کے علاوہ ہم اس بات کو بھی دیکھتے ہیں کہ خود آنحضرت سرور کائنات صلعم بھی ہمیشہ یہی اعلان کرتے تھے کہ خدا تعالیٰ نے مجھ پر تازہ وحی نازل فرمائی ہے اور اسکے نزول پر تمام پہلی رسمیں اور مروجات اور شریعت منسوخ اور تبدیل ہو گئی ہیں۔ گویا آپ سے تبدیل آیت کے یہی معنے ثابت ہیں کہ تبدیل شریعت واقع ہوئی۔ اور یہی منشاء اصلی اس آیت کی ہے۔ کفار کہتے تھے کہ یہ عبارات جن کو آنحضرت صلعم قرآن کہتے ہیں اور منجانب اللہ بیان کرتے ہیں دراصل آپ کا افترا ہے۔ کلام الٰہی نہیں۔ اس غلط فہمی اور اعتراض کا جواب قرآن شریف نے اسطرح دیا ہے کہ ان منکروں کا یہ اعتراض سراسر نادانی اور جہالت پر مبنی ہے یہ وحی کسی انسان کی بناوٹ اور افترا نہیں۔ بلکہ رب العالمین کی طرف سے ضرورت حقہ کے ساتھ روح القدس کے ذریعہ سے اس مقدس رسول (صلعم) پر نازل ہوئی ہے۔ اور اس بات کے ثبوت کے لیے اتنا سمجھ لینا بھی کافی ہے کہ اس مقدس

کتاب کا مسلمانوں پر کیسا نیک اور پاکیزہ اثر ہوا اور کیسی ایمانی استقامت اُن کو نصیب ہوئی کہ باوجودیکہ سخت شدید جانکاہ اور جانگداز مصیبتوں اور ابتلاؤں میں ڈالے گئے اور دشمنوں کے منصوبوں اور مظالم سے نہایت بیرحمانہ طور پر دُکھوں کی آگ میں جھونکے گئے مگر پھر بھی انکی استقامت کے قدم میں لغزش نہ آئی۔ بلکہ ہر نئی مصیبت ان کی عزیمت اور ہمت اور ایمانی جوش اور استقامت کو بڑھاتی تھی۔ اس بیچارگی اور بے سروسامانی کیحالت میں انہوں نے خدا تعالیٰ کو شناخت کیا اور اس کی تمام پیشگوئیوں پر ایمان لائے جو انکی بیکسی کے زمانہ میں وحی ہوئیں اور اس بات کی خوشخبریوں سے مملو تھیں کہ عنقریب وہ زمانہ آنیوالا ہے جب انپر سے یہ بیکسی اور بیچارگی کی تاریکی اُٹھ جائیگی اور گوہر مقصود ہر بلندی کے تاج سے انکے ہی دامن میں آپڑیگا۔ اور وہ تنگی اور افسردگی کا زمانہ جاتا رہے گا اور فرخندہ حالی اور تروتازگی کی ہوائیں ہر کوچہ سے انپر چلنے لگیں گی اور انپر آنیوالے دشمن گرائے جائیں گے اور انکے آستانہ پر کھینچکر لائے جائیں گے۔ وہ خدا کیسا زبردست حکمتوں والا ہے کہ اس نے یہ سارے وعدے پورے کیے اور انپر ثابت کر دیا کہ سوائے خدا کے کوئی ایسی اقتداری پیشگوئی دینے کی قدرت نہیں رکھتا۔ غرض یہ ساری آیات کفار کے اعتراض کے جواب میں تھیں۔ ہم نے اس مضمون میں صرف تین آیتوں کو ہی درج کیا ہے لیکن اگر کوئی صاحب قرآن شریف کا تدبر اور غوض سے مطالعہ کریں تو انکو معلوم ہوجاوے گا کہ سارا رکوع ہی اس مضمون پر متضمن ہے۔ کہ کفار قرآن شریف کو آنحضرت صلعم کا افترا کہتے اور قرآن شریف انکی اس بیباکانہ تہمت کا رد کرتا ہے۔ اس میں کہیں آیات قرآنی کے منسوخ ہونیکا کوئی ذکر نہیں اس سے یہ نہیں سمجھ لینا چاہیئے کہ قرآن شریف نے صرف اس زمانہ کے کفار کے اعتراضوں کے جواب دینے کا بیڑا اُٹھایا ہوا تھا۔ یہ بات اسی حد تک ختم نہیں ہوتی۔ حقیقت میں ہمیشہ ہر زمانہ میں کفار جھنجلا کر وہی باتیں بطور اعتراض کیا کرتے ہیں جو ان کے اجداد دکی کر چکے ہیں۔ بلکہ اس پہلو میں جس گمان تک مکی کفار پہنچے تھے انکے جانشینوں میں سے جو سارے عالم میں اسلام کی دشمنی پر تلے ہوئے ہیں کوئی بھی ایسا نہیں نکلا کہ انکی برابری ہی کرسکے آجتک اتنا عرصہ گذر چکا ہے کہ مختلف سرزمینوں اور مختلف ممالک میں بڑے بڑے لایق اور پڑھے لکھے لوگ فرداً اور مجموعاً اسلام کی بیخکنی کی کوشش میں اسپر اعتراضات کی بوچھاڑ کرتے رہے۔ لیکن وہی چکی اور وہی اس کا پیسنا ہمیشہ رہا۔ وہی اعتراضات اور وہی الزام اور بیجا اتہام اسلام پر مخالف لوگ کرتے چلے آئے جو زمانہ نزول قرآن شریف میں عربی کفار کرتے تھے۔ البتہ طرز بیان اور صورت حال میں اپنے تغیرات کے ساتھ زمانہ انمیں بھی تغیرات کا دخل کرتا گیا۔ اور اس لیے اُن نئی وردی والے اعتراضات کے لیے ہمیشہ نئے مشن کی ضرورت ہوتی رہی۔ اور چونکہ یہ زمانہ اپنی علمی معلومات اور ترقیات میں تمام گذشتہ ازمنہ سے بڑھ چڑھکر ہے اور اسلام کی مخالف افواج کے حملوں کا زور بہت زیادہ ہے جس کی مثال پہلے زمانوں میں نہیں پائی جاتی اس لیے اس زمانہ میں ایک نہایت

قومی مشن کی ضرورت تھی اور اُس کے لیے ایک بڑے زبردست ہادی کی حاجت تھی۔

الغرض ہم نے گذشتہ اور اس مضمون میں دلایل قاطعہ سے یہ بات ثابت کر دکھائی ہے کہ ناسخ و منسوخ کے مسئلہ کی تائید نہ تو کسی طرح قرآن شریف سے ہوتی ہے اور نہ ہی حدیث نبوی میں کوئی ایسا ثبوت پایا جاتا ہے جو اس مسئلہ کو کسی طرح کا سہارا دے۔ جب ہم یہ ثابت کرتے ہیں کہ ناسخ و منسوخ کا مسئلہ نہ تو قرآن شریف کی کسی آیت سے ثابت ہوتا ہے اور نہ ہی کسی حدیث نبوی میں اس کا کوئی مذکور ہے تو پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بعض صحابہؓ کی روایتوں میں جو اس کا وجود پایا جاتا ہے اس کی وجہ کیا تھی؟ ناظرین اس بات کو جانتے ہوں گے کہ استنادِ روایات اور تنقید احادیث میں کیا کچھ بلیغ کوششیں علمی اور عملی طور پر اہل اسلام نے کی ہیں۔ اور جس محنت اور احتیاط سے انکی حفاظت کی گئی ہے اسکا بھی آپکو علم ہوگا۔ پھر باوجود ان ساری باتوں کے ہم کو ایک روایت ایسی نہیں ملتی جو آنحضرت صلعم تک پہنچتی ہو اور اس میں قرآنی آیتوں کے ناسخ و منسوخ ہونیکا ذکر ہو۔ اس سے اتنا تو ضرور سمجھا جاتا ہے کہ صحابہؓ کو ناسخ و منسوخ آیات قرآنی سمجھنے کا علم آنحضرت صلعم سے تو نہیں ملا تھا۔ کیونکہ اگر آپ سے یہ علم انکو ملتا تو ضرور تھا کہ وہ اسکی روایت کو آنحضرت صلعم تک پہنچاتے۔ اور کتب احادیث میں موجود ہوتا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قرآن شریف کے نزول سے شریعت اور مروجات سابقہ کے منسوخ ہونیکے خیال سے کسی کے دل میں یہ خیال بھی جاگزین ہو گیا ہوگا۔ کسی گذشتہ مضمون میں ہم نے ایک حدیث نقل کی تھی جس میں جاہلیت کی کسی رسم کا قرآن شریف کی کسی آیت کے نزول سے دُور ہو جانے پر صحابہؓ نے بھی ناسخ و منسوخ کی اصطلاح استعمال کی۔ اور یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ اسلام کے ابتدائی زمانہ میں جب کہ ابھی شریعت اور اوامر و نواہی نازل نہیں ہوئے تھے تو اسوقت صحابہؓ شریعت سابقہ یا عرب کے بعض مروجات اور رسومات پر عمل کرتے تھے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی جب تک کہ وحی الٰہی کسی امر کے متعلق نازل نہ ہو اس سے منع نہ فرماتے تھے۔ قرآنی شریعت بتدریج نازل ہوتی گئی اور جیسے جیسے یہ شریعت نازل ہوتی گئی ویسے ہی رفتہ رفتہ شریعت سابقہ اور مروجات اور رسومات قدیمہ منسوخ اور متروک ہوتے گئے۔ اسی امکان کو دیکھکر بعض صحابیوں نے گمان کر لیا ہوگا کہ جبکہ پہلی شریعت اور قدیم رسم و رواج کا قرآن شریف کی آیتوں کے نزول سے معطل اور منسوخ ہو جانا ممکن ہے تو پھر ان قرآنی احکام کا معطل اور مبدل اور منسوخ ہونا بھی اسی طرح مقرون امکان ہے۔ پس اس کمزور خیال کی دوسری کمزوریوں سے تائید اور تقویت ہوتی گئی چنانچہ جب کوئی صحابی بعض قرآنی آیات کے مضامین میں تطبیق دینے سے عاجز ہوا تو فوراً ایک کو منسوخ اور دوسری کو ناسخ کہدیا۔ یہی وجہ ہے کہ ایک آیت کو ایک صحابی منسوخ کہتا ہے اور دوسرا اس کی تردید کرتا ہے۔ اور اس کا باعث یہی ہے کہ جس کی سمجھ نے کسی آیت کی تطبیق کے لیے کام نہ کیا اُس نے ناسخ و منسوخ کا عذر پیش کر دیا اور جس نے سمجھ لیا اس نے اس کی مخالفت کر دی۔ غرض یہ غلطی اسی طرح بڑھتی گئی اور گو متفرد طور پر

اس کی اصلاح اسی زمانہ میں ہوتی گئی لیکن ان کے بعد بھی جن لوگوں نے اسپر غور کیا اور اسکی حقیقت کی تہ تک جانیکی کوشش کی انہوں نے اس کی اصلاح میں بہت کچھ ہمت کی۔ مگر افسوس کہ مرطوب اللسان مفسرین کی روشنیٔ طبع نے اسلام کو اس ابتلا میں ڈالنے میں بہت بڑا حصہ لیا۔ خدا انپر رحم کرے۔

اب رہی یہ بات کہ لفظ نسخ اسلام کی ابتدائی دینی لٹریچر میں کن معنوں میں استعمال ہوتا رہا ہے۔ سو واضح رہے کہ اسلامی ادب متقدمین میں لفظ نسخ بہت وسیع معنوں میں مستعمل ہوا ہے۔ اور جو معنے اس کے آجکل مخصوص کر لیے گئے ہیں کہ اس سے صرف کسی شئے کا معطل اور بیکار ہو جانا مراد ہے انکے نزدیک اسکا مفہوم اس سے بہت مختلف ہے ایک معنے اس کے تعمیم کی تخصیص کرنا ہے۔ صاحب فتح الباری شرح صحیح بخاری نے آیت ماننسخ الخ کی تفسیر کے باب میں لکھا ہے ویحتمل ان یکون المراد ما نسخ فی الحدیث التخصیص فان المتقدمین یطلقون لفظ النسخ علیہ کثیراً۔ یعنی یہ گمان غالب معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث میں نسخ کے معنے تخصیص کے ہیں کیونکہ متقدمین لفظ نسخ کو ان معنوں میں بکثرت استعمال کرتے تھے۔ اسی مصنف نے ایک اور حدیث کی تفسیر کے ضمن میں اسی قسم کا ریمارک لکھا ہے۔ پس اگر لفظ نسخ سے یہی مراد سمجھی جاوے تو پھر ان آرا ء اور قیاسات پر کوئی اعتراض نہیں رہتا جو بعض صحابیوں نے بعض حدیثوں میں ظاہر کیے ہوئے ہیں۔ کیونکہ اس مفہوم کے اختیار کرنے سے کوئی امر قرآنی بیکار اور معطل نہیں ہو جاتا بلکہ خاص حالات میں مخصوص ہو کر بحال رہتا ہے۔

اس کے ماسوا نسخ کے متعلق ایک اور مفہوم بھی ہے۔ بعض وقت ایسا ہوا ہے کہ کسی شخص نے قرآن شریف کی کسی آیت سے کوئی غلط نتیجہ اخذ کیا۔ پھر جب کوئی دوسری آیت نازل ہوئی جس سے اس پہلی آیت کے معنے بھی اسکی سمجھ میں اچھی طرح آگئے تو اسکی غلط فہمی دُور ہو گئی۔ پس اس شخص نے لکھ دیا کہ گویا پچھلی آیت نے پہلی آیت کو منسوخ کر دیا ہے۔ اور حقیقت میں اسکا مافی الضمیر یہی تھا کہ اس دوسری آیت نے نازل ہو کر اس کی پہلی غلط فہمی کو دُور کر دیا ہے۔ چنانچہ ابن تیمیہ جو ایک مشہور و معروف امام ہے اسکی کتاب الفرقان کے صفحہ ۲۰-۲۱ پر لکھا ہے وکانوا یسمون ما عارض الآیۃ ناسخا لھا فالنسخ عندھم اسم عام لکل ما یرفع دلالۃ الآیۃ علی معنی باطل وان کان ذلک المعنی لم یرد بھا وان کان لا یدل علیہ ظاہر الآیۃ بل قد ...... وقد فھمہ منھا قوم فیسمون ما رفع ذلک الابھام والافھام نسخاً یعنی اور ان لوگوں کی عادت تھی کہ جو بات انہیں کسی آیت کے مخالف نظر آتی تھی اسکو کہا کرتے تھے کہ گویا وہ اسکو منسوخ کرتی ہے پس انکے نزدیک نسخ ایک عام اسم ہے جو ہر ایک ایسے امر پر مستعمل ہو سکتا ہے جو کسی آیت کے معنوں کی غلط فہمی دُور کرتا ہو۔ گو یہ معنے کبھی اس آیت کی منشا ہی نہ ہوں اور گو ظاہری طور پر وہ آیت انپر دلالت نہ کرتی ہو۔ لیکن بعض لوگوں نے اس کے وہ معنے اختیار کیے ہوں اور یہ سمجھ لیا ہو کہ نسخ سے مراد وہ شئے ہے

جوکسی ابہام اور غلط فہمی کو دُور کرے۔ چنانچہ خود امام ابن تیمیہ لفظ نسخ کے ایسے استعمال کی ایک مثال پیش کرتا ہے اور بعض ان آیات کو بطور حوالہ نقل کرتا ہے جن کو بعض حدیثوں میں منسوخ کہا گیا ہے۔

اب ہم اس مضمون کو اسی جگہ ختم کرتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ مسئلہ ناسخ و منسوخ کی تردید کے لیے کافی دلایل اور ثبوت بہم پہنچا دیئے گئے ہیں۔ اور ہم دعا کرتے ہیں کہ یہ مضمون خلق خدا کو غلط فہمی سے نکالنے کا موجب ہو۔ آمین۔

بابی مذہب ۔۴

بہاء اللہ کے دعاوی

اگرچہ جیسا کہ کسی گذشتہ اشاعت میں ہم ذکر کر چکے ہیں کہ باب کے بعد بابی مذہب فرقوں میں اور پھر وہ فرقے شاخوں میں تقسیم ہو گئے۔ لیکن یہ بات بھی بخوبی ظاہر ہو چکی ہے کہ اس سلسلہ کا سارا دار و مدار بہاء اللہ کے دعاوی پر ہے۔ بہائی مذہب میں بہاء اللہ کی آمد کوئی معمولی بات نہیں سمجھی جاتی۔ بلکہ ان لوگوں کا اعتقاد ہے کہ تمام مرسلین و انبیاء جو باوقات مختلف ایک موعود کی پیشخبری سناتے چلے آئے تھے۔ وہ سب پیشگوئیاں اسی بہاء اللہ کے حق میں تھیں۔ اور بہاء اللہ ہی وہ موعود ہے جو ان سارے نبیوں کی پیشگوئیوں کے مطابق آیا۔ چنانچہ خود بہاء اللہ بھی اپنی ایک تصنیف میں اسی بارہ میں اپنے متعلق الفاظ ذیل لکھتا ہے۔ ھٰذا ھو الذی ذکرہ محمد رسول اللہ و من قبلہ الروح و قبلہ الکلیم ...... و ھذا الصراط الاقوم کان مکنونا فی افئدۃ الانبیاء و مخزونا فی صدور الاصفیاء و مسطورا من القلم الاعلیٰ فی الواح ربکم مالک الاسماء۔

ترجمہ "یہ وہی ہے جسکے آنیکی نسبت محمد رسول اللہ صلعم نے پہلے خبر دی تھی۔ اور ان سے پہلے حضرت مسیح نے اور اُنسے پہلے حضرت موسیٰ نے پیشگوئی کی تھی ۔× × × یہی وہ سب سے بہتر صراط مستقیم ہے جو نبیوں کے دلوں میں مستور چلا آتا تھا۔ اور خاصان خدا کے سینوں میں جمع پڑا تھا۔ اور جو تمہارے مالک (خدا) ملک الاسماء کی الواح میں قلم اعلیٰ کے ساتھ لکھا ہوا تھا"۔ پس اس طرح سب سے پہلی بات جو بہائی سلسلہ کے متعلق یاد رکھنے کے قابل ہے یہ ہے کہ بہاء اللہ اس بات کا مدعی ہے کہ میں ان پیشگوئیوں کے مطابق آیا ہوں جو پہلے انبیاء کسی موعود کے بارہ میں کرتے چلے آئے ہیں۔

شاید ہمارے ناظرین اس بات سے آگاہ ہوں گے کہ الہامی کتابوں کو ماننے والی اقوام میں ایک موعود کی آنیکی انتظار لگی ہوئی ہے۔ بہاء اللہ جیسا ہوشیار مدعی اس پہلو سے فایدہ اٹھائے بغیر کب رہ سکتا تھا۔ اسنے جہانتک اُس کا بس چلا اکثر اقوام کو مخاطب کر کے کہا کہ میں وہی ہوں جس کی تم انتظار میں بیٹھے ہو۔ چنانچہ کتاب الاقدس میں مسلمانوں کی طرف متوجہ ہو کر انہیں یہ کہا قل یاملاء الفرقان قد اتی الرحمن بسلطان مشہود۔ (دیکھو صفحہ ۱۰۰) اور اسی کتاب میں ایک جگہ لکھا ہے کہ قرآن میں بہاء اللہ نبأ عظیم ہے۔ پھر بحر العرفان میں جو بہاء اللہ کے ایک مرید کی تصنیف ہے اس میں کھول کر لکھا ہے کہ جہاں کہیں قرآن شریف میں یوم القیامۃ کا ذکر آیا ہے اُس سے مراد بہاء اللہ کی آمد کا زمانہ ہی ہے۔ الخ یہ کہ ایسا ہی لفظ ساعۃ سے بھی قرآن شریف میں یہی مراد ہے۔ مسلمانوں کے عقاید کے مطابق آخری زمانہ کے منتظر موعود کے بارہ میں اسی قدر دعویٰ کیا ہے۔ اور باقی اقوام کا موعود ہونیکے بارہ میں جو کچھ لکھا ہے وہ ہم آگے چلکر ذکر کریں گے۔ اور اس بات پر بحث بھی کسی آیندہ مضمون میں کریں گے کہ آیا اُس کے یہ دعوے صحیح ہیں یا غلط اور آیا اُسکے پاس کوئی ثبوت اور دلایل اپنے ایسے دعووں کی تصدیق کے لیے موجود ہیں یا نہیں۔ یہاں پر اسقدر دیکھنے کے بغیر ہم آگے نہیں چل سکتے کہ آیا مسلمانوں کو جس موعود کی انتظار تھی وہ اسی قسم کا ہے جس قسم کا بہاء اللہ اور اس کی جماعت بیان کرتی ہے یا کوئی اور؟ سب سے پہلے تو یہ بات ہی غلط ہے کہ کبھی کسی اسلامی فرقہ میں رحمٰن کے بذاتِ خود آنیکی انتظار کی گئی۔ ابتدائے اسلام سے آجتک کوئی بھی فرقہ اسلام میں ایسا نہیں ہوا جس کو یہ خیال ہی ہوا ہو کہ کبھی کسی زمانہ میں خدائے رحمٰن خود جامۂ انسانیت پہنکر نزول فرمائیں گے۔ اسلام کا سب سے اہم کام تو دنیا میں اس قسم کے عقاید کا قلع قمع کرنا ہے۔ وہ تو خود عیسائیوں اور دوسری اقوام کے ایسے حلولی عقاید کے ابطال اور اصلاح پر زور لگا رہا ہے وہ خود ہی ایسے مکروہ عقاید کے جال میں کیسے پھنس سکتا ہے۔ صریح تو درکنار ایک بھی قرآنی پیشگوئی یا کسی حدیث نبوی کا جملہ ایسا نہیں جس سے کسی تاویل یا کنایہ سے ہی کبھی کسی فرقۂ اسلامی نے ایسا عقیدہ بنالیا ہو کہ گویا خدا بذاتِ خاص کسی وقت دنیا پر انسان بنکے آئیگا۔ اسلام تو جڑھ سے ہی ایسے اصول اور خیالات کا دشمن ہے۔ ہاں جہالت کا کوئی علاج نہیں اور اگر کوئی اس قسم کا نادان نادانی اور ناواقفیت سے کوئی ایسی بات کہدے تو اس کا اسلام ذمہ وار نہیں۔ اور جو کوئی ایسا سمجھے وہ اسلامی عقیدوں کا مخالف ہوگا۔

اس موقع پر اس بات کا سمجھنا ضروری ہوگا کہ آخری زمانہ میں جس موعود کی آمد کے مسلمان منتظر ہیں وہ کون اور کیسا ہے۔ ہم نے اسی رسالہ کے بعض نمبروں میں اس مضمون پر مفصل بحث کی ہے اور ہم سمجھتے ہیں کہ اس کی تفصیل کی اب یہاں ضرورت نہیں۔ کیونکہ آمد موعود آخر زمان کے متعلقہ پیشگوئیاں کوئی چھپی ہوئی نہیں بلکہ عام طور پر معروف ہیں اور ہم نے بھی انکو کئی دفعہ اس رسالہ میں درج کیا ہے۔ اس لیے اس جگہ مجمل طور پر

بیان کرتے ہیں کہ احادیث میں اس کے متعلق بہت کثرت سے پیشگوئیاں ہیں۔ لیکن ان تمام کی بنیاد قرآن شریف پر ہے۔ اور قرآن شریف نے اس موعود کی حقیقت کو سمجھانے کے لیے نہایت پُر لطف حکیمانہ پیرایہ اختیار کیا ہے اور اس کو یوں بیان کیا ہے کہ سلسلہ محمدی اور سلسلہ موسوی اس پہلو میں مشابہت رکھتے ہیں کہ آنحضرت سرور کائنات محمد مصطفےٰ صلعم جو سلسلہ اخریٰ کے بانی ہیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام جو سلسلہ اولیٰ کے بانی ہیں دونوں میں ایک مشابہت اور مماثلت ہے جس کو قرآن شریف سورۃ المزمل میں آیت انا ارسلنا الیکم رسولاً شاھداً علیکم کما ارسلنا الی فرعون رسولاً میں بیان فرماتا ہے۔ اور ایسا ہی اور موقعوں پر بھی ذکر کیا ہے۔ مگر دونوں سلسلوں کی مماثلت ایسی نہیں کہ جس کا یہیں تک خاتمہ ہو۔ بلکہ یہ دونوں سلسلے نقطۂ ابتدائی سے لیکر انتہائی تک باہم دو متوازی خطوط کی طرح چلے جاتے ہیں جو بحالت استقامت کسی طول تک متوازی ہونے سے نہیں رُکتے۔ چنانچہ اس مماثلت پر اور روشنی ڈالنے کے لیے خود قرآن شریف کی سورۃ النور میں لکھا ہے۔

وعد اللہ الذین اٰمنوا منکم وعملوا الصٰلحٰت لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم۔ یعنی اللہ اُن لوگوں کے ساتھ جو تم میں سے ایمان لائے اور عمل صالح کرتے ہیں وعدہ کرتا ہے کہ اُن میں سے آنحضرت محمد مصطفےٰ صلعم کے خلیفے بھی اُسی طرح بنائیگا جس طرح اُن لوگوں میں سے خلیفے بنائے گئے تھے جو تم میں سے پہلے تھے (حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اتباع میں سے۔)

اب یہ بات مسلم الثبوت ہے کہ سلسلہ موسوی میں حضرت مسیح علیہ السلام خلیفہ آخری تھے۔ گویا یہ سلسلہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے شروع ہو کر حضرت مسیح ناصری علیہ السلام تک ختم ہوتا ہے۔ پس سلسلہ محمدیہ کے لیے بھی ضروری تھا کہ جیسا وہ ایک مثیل موسیٰ سے شروع ہوا اسی طرح مثیل مسیح تک اس کے ساتھ متوازی چلا جائے اور یہ بات اوپر ثابت ہو چکی ہے کہ آنحضرت صلعم کو قرآن شریف میں مثیل موسیٰ کہا گیا ہے۔ اور آپکے خلیفوں کو مثیل خلفائے موسیٰ کہا گیا ہے۔ جیسے موسوی سلسلہ میں ایک آخری خلیفہ کی آمد کی پیشگوئیاں زور شور سے چلی آتی تھیں اور اُمت موسیٰ علیہ السلام اُس کی راہ تک رہی تھی اسی طرح محمدی سلسلہ میں آخری خلیفہ کی انتظار میں تمام فرقے چشم براہ تھے۔ اور جس رنگ و روپ میں موسوی خلیفہ آخر الزمان آیا تھا وہی رنگ و روپ سلسلہ عالیہ محمدیہ کے آخری موعود خلیفہ کا بھی ہونا ضروری تھا۔ گویا محمدی خلیفۂ آخر زمان کو موسوی خلیفۂ آخر زمان یعنی مسیح علیہ السلام سے روحانیت اور تعلیم میں مماثلت ہوگی۔ اور جیسا کہ غالب اوصاف کے لحاظ سے سلسلہ موسوی کے اس آخری خلیفہ کا نام مسیح تھا ویسے ہی سلسلہ عالیہ محمدیہ کے اس آخری خلیفہ کا نام وصفی طور پر مسیح ہونا ضروری تھا۔ پھر ان دونوں کے زمانوں کے فاصلے اور کارناموں اور وصفوں میں مشابہت کا ہونا اور آخر الذکر کا ایسے زمانہ میں نازل ہونا کہ جس زمانہ میں اول الذکر کی نسبت طرح طرح کے بد عقاید کی تاریکی دنیا پر غالب

آگئی اور اُس کی حمایت یعنی کفارہ کی آڑ میں جرائم کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ یہ سب امور اسی بات کے مؤید ہیں۔ اور دونوں کا خلیفہ نبوت میں نازل ہونا ضروری ہے۔

جس قرآنی آیت کو ہم نے اوپر پیش کیا ہے وہ سلسلہ محمدیہ کے آخرالزمان مصلح موعود کے نزول وظہور کے متعلقہ پیشگوئیوں کا لب لباب ہے۔ اور صحیح اور معتبر حدیثوں میں بہت وضاحت کے ساتھ اس موعود کا نام مسیح ظاہر کیا گیا ہے۔ اور اس کے نزول کا نام مسیح ابن مریم کا نزول ثانی رکھا گیا ہے۔ جس سے ظاہر ہے کہ ان دونوں سلسلوں کے آخری موعودوں میں روحانی طور پر ایسی اتم اور اکمل مماثلت اور مشابہت مقدر کی گئی ہے کہ اُن کے نام بھی ایک ہی پسند کیے گئے ہیں۔ بعض لوگ جو حقیقت معاملات پر غور کرنیکی عادت نہیں رکھتے اور عبارات کو صرف سطحی معنوں پر محمول کرتے ہیں وہ اس خیال میں بیٹھے ہیں کہ گویا سلسلہ محمدیہ ایک ایسا ناقص سلسلہ ہے کہ اس کی تکمیل کے لیے وہی سلسلہ موسوی کے خلیفہ آخرالزمان مسیحؑ دوبارہ دنیا پر تشریف لائیں گے۔ یہ اُن کی سراسر نادانی ہے۔ کیونکہ جب دونوں سلسلے قرآن شریف سے باہم مشابہ اور مماثل اور دو خطوط مستقیم متوازی کی طرح ثابت ہوتے ہیں۔ تو پھر اُن کا ایک آخری زمانہ میں ایک مسیح کے وجود میں پیوستہ ہو جانا باطل ٹھہرتا ہے۔ علاوہ بریں قرآن شریف تو اسی غلطی سے لوگوں کو بچانے کے لیے ڈنکے کی چوٹ سے پکار رہا ہے کہ وہ موسوی سلسلہ کا خلیفہ مسیح اپنی طبعی موت سے فوت ہو چکا ہے۔ اور فوت شدگان کا دوبارہ دنیا پر آنا بھی قطعی طور پر ممنوع ثابت ہے تو پھر وہ کیسے دوبارہ آسکتا ہے۔ اس کے علاوہ آیت استخلاف میں جو وعدہ خلیفوں کا دیا گیا ہے۔ اُس میں صاف لکھا ہے کہ سلسلہ عالیہ محمدیہ میں جو خلیفے خلفائے سلسلہ موسویہ کی طرح مامور کیے جائیں گے وہ جیسے کہ موسوی خلیفے اُمت موسوی سے منتخب ہوتے تھے ویسے ہی محمدی خلیفے بھی اُمت محمدی سے ہی چنے جائیں گے۔ چنانچہ وہ آیت شروع ہی اُمت محمدیہ کو مخاطب کر کے کہتی ہے کہ تم میں سے اہلیت رکھنے والوں کو خلیفہ کیا جائیگا۔ یہ کہیں اشارہ بھی نہیں کیا گیا کہ کسی وقت اُمت محمدیہ کے لیے کوئی ایسا خلیفہ مقرر کیا جائیگا جو کسی وقت پہلے موسوی اُمت میں خلیفہ رہ چکا ہو۔

باقی رہا نام کا ایک ہونا سو یہ کوئی عجیب بات نہیں ہے الہامی کلام میں اس قسم کے استعارات بکثرت پائے جاتے ہیں۔ یہ کوئی نیا مسئلہ نہیں جس کو از سر نو حل کرنیکی ضرورت ہو۔ بلکہ مختلف زمانوں میں پیش ہو کر حل ہوتا رہا۔ خدا تعالیٰ کی یہ کیسی بڑی حکمت ہے اور کیسی ایمان بڑھانے والی بات ہے اور اس کی ہستی اور اس کی جلیل قدرتوں پر کیسی بین ثبوت بخش ہے کہ جس مسیحؑ کی نسبت کسی آیندہ زمانہ میں ایک قسم کا جھگڑا برپا ہونیوالا تھا اسی کے آگے اسی نوعیت کے واقعات اور قضیہ کو پیش کیا۔ اور اسی کے ہاتھ سے اسکا فیصلہ کرا کر ایک مستقل دستاویز اس کی سے کر زمانہ میں محفوظ رکھی تا اُنیس۱۹ سو برس کے بعد جو اسی

شخص کے متعلق ایسا مسئلہ پیش ہونیوالا تھا اور ایک فریق غلطی اور ہٹ دھرمی سے اُس غلط پہلو پر اڑنیوالا تھا وہ اسی کے ہاتھ سے ملزم ہوکر اپنی اصلاح کرلے یا اُن میں سے جن کو داڑونے بختی نے گھیرا ہو اُنپر حجت الٰہی پوری ہو اور اس کے بُرے نتایج کا خمیازہ اُٹھانے کے لیے اسباب مہیا ہوں۔

جسطرح بعض مسلمان اس وقت ایک غلط فہمی میں پڑے ہوئے ہیں کہ وہی مسیح عیسیٰؑ جو سلسلہ موسوی کے خلیفہ تھے آخری زمانہ میں نازل ہونگے۔ اسی طرح حضرت مسیح موسوی کے زمانہ میں یہودی لوگ اس غلط فہمی میں غرق تھے کہ حضرت الیاس دوبارہ دنیا میں نازل ہوں گے۔ جسطرح حال کے مسلمانوں میں سے حقیقی علم اُٹھ گیا ہے اور الہامی استعارات اور کلام کے سمجھنے کی قوت سے محروم ہوکر صرف لفظی استخوان خوری کی بلا میں مبتلا ہوگئے ہیں اور تمام پیشگوئیوں کا لب لباب یہی سمجھ بیٹھے ہیں کہ دین محمدی کی تکمیل کے لیے ایک موسوی خلیفہ یعنی مسیحؑ جو اُس سلسلہ میں عہدۂ نبوت پر ممتاز تھا آئے گا۔ اسی طرح اُس زمانہ کے یہودی حضرت الیاسؑ کے متعلق اسی بدبختی میں گھرے ہوئے تھے۔ غرض یہ دونوں قومیں اس مرحلہ پر پہنچکر ایک دوسری کے مشابہ ہوگئی ہیں۔ اور کیسا صادق و مصدوق وہ نبی صلعم ثابت ہوتا ہے (جس کے قدموں کی خاک پر ہماری ہزار ہزار جان قربان ہے اور جس کے احسانوں کے پہاڑوں کے نیچے ہم ایسے دبے ہوئے ہیں کہ کبھی نکل سکتے ہی نہیں) جس نے بڑے رنج کے ساتھ اس پیشگوئی کو آج سے تیرہ سو برس پہلے بیان کیا ہوا تھا کہ میری اُمت بھی ایک زمانہ ادبار کا آنیوالا ہے جب یہ یہودیوں کی ملتیں اختیار کرلیں گے اور اُن کے ساتھ مشابہت تامہ پیدا کرلیں گے۔ اور یہ پیشگوئی آج ظہور میں آرہی ہے۔ وہ کیسی غیرت اور حمیت اسلامی ہے کہ جس دین کو افضل الرسل دنیا پر لاوے پھر وہ دین کسی نبی کے خلیفہ نبی کی امداد کا محتاج سمجھا جاوے۔ اگر حضرت موسیٰؑ ہی کا نام لے لیتے تو خیر اتنی ذلت اسلام کی تو نہ ہوتی۔ اگر غیرت باقی ہوتی اور غلطی میں ڈوبنا بھی ہوتا تو یہ ہونا چاہیئے تھا کہ عظمت اپنے گھر کی طرف کھینچی جاتی۔ یعنی اگر ایسی پیشگوئی ہوتی کہ مسیح موسوی دوبارہ آئیں گے تو غلطی اس طرف کرتے کہ موسوی مسیحؑ نہیں بلکہ اُمت محمدیہ سے خدا کسی کو مسیح کا مثیل بنا دیگا۔

غرض اگر یہ لوگ ذرہ اُن تمام پیشگوئیوں پر غور کرتے جو اس موعود آخر الزمان کے متعلق قرآن و حدیث میں ہیں۔ اور تدبر اور تفکر کرتے اور بارگاہ احدیت میں اس مشکل کے حل کے لیے دعا کرتے تو از خود ہی سب حقیقت منکشف ہوجاتی۔ تمام لوگ اس بات کو جانتے ہیں کہ اسلام میں جس موعود کی آمد کی پیشگوئیاں ہیں اسکو دو ناموں سے تعبیر کیا گیا ہے یعنی مسیح اور مہدی۔ ابن ماجہ کی صحیح اور مستند حدیث لا مھدی الا عیسیٰ سے ثابت ہے کہ یہ دونوں خطاب ایک ہی شخص کے ہیں۔ دو خطاب گو جدا ہیں لیکن دو وجود جدا نہیں۔ یہ ممکن ہے کہ اگر مسیح موسوی کا دوبارہ آنا پایۂ ثبوت کو پہنچ سکے تو خطاب مہدی بھی شاید اسی کو دیا جانا مقصود ہو۔

یعنی دونوں پہلو سمجھے جاسکتے ہیں یا تو مسیح کو خطاب مہدی کا دیا جائے یا مہدی کو مسیح کا۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں قرآن شریف اس زور اور تکرار سے مسیح موسوی کے دوبارہ آنیکو روکتا ہے اور ناممکن ثابت کرتا ہے کہ اس کا خیال ہی سر میں لانا احتمال معصیت رکھتا ہے۔ پس لازماً مہدی ہی اس خطاب مسیح پانے میں کامیاب ثابت ہوتا ہے۔ اور یہ مہدی اُمت محمدیہ میں سے ہی خلیفہ موعود مسلّم ہے جس میں کسی شک کو دخل کا امکان نہیں۔ اب مسلمانوں کے سارے فرقوں میں صرف مہدی اور مسیح موعود کی آمد کے انتظار کے سوا کسی اور شخص کی آمد کا کبھی اعتقاد تو درکنار خیال بھی نہیں ہوا۔ غلط فہمی بھی صرف اسی حد تک متداثر رہی کہ مہدی اور مسیح دو جدا اشخاص ہیں۔ یعنی مہدی اُمت محمدیہ میں سے پیدا ہوگا اور عیسیٰ مسیح موسوی آئیں گے۔ لیکن بہاء اللہ نے نہ تو یہ دعویٰ ہی کیا ہے کہ میں مہدی یا مسیح ہوں اور نہ اس صحیح عقیدہ کے مطابق ہی اُس نے کبھی یہ کہا کہ میں مہدی اور مسیح ہوں۔ اس لیے اس کا مہدویت اور مسیحیت کے دعوے کے بغیر کسی اور موعود کا دعا کرنا اسکی نادانی پر محمول ہونیکے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ جبکہ کسی اور موعود کا نہ صراحتہً اور نہ کنایتہً ہی اسلام میں کہیں ذکر ہے تو پھر اُسکا یہ کہنا کہ میں اسلامی پیشگوئیوں کے مطابق موعود ہوں صریح غلط نہیں تو اور کیا ہے؟ ماسوا اس کے اگر وہ مہدی اور مسیح ہونیکا دعویٰ کرنا کسی وجہ سے بھول بھی گیا تھا تو کم از کم اتنا تو کرتا کہ اسلامی اعتقاد موعود کے مطابق اپنے اوصاف ہی بیان کرتا۔ مگر یہ بھی نہیں۔ بلکہ جسقدر اس نے دعوے کیے وہ سب اسلامی عقاید کے بالکل مخالف تھے۔ اس کا مسلمانوں کو مخاطب کرنا اور انہیں سے ایک جماعت مریدین بنالینا اور یہ ظاہر کرنا کہ میں اسلامی پیشگوئیوں کے مطابق آیا ہوں جب تک فی الواقعہ اسلامی پیشگوئیوں کے مطابق نہ ہو اُسوقت تک کچھ حقیقت نہیں رکھتا۔

ہم بہاء اللہ کے دعاوی کو پرکھنے کے لیے اسلام کی پیشگوئیوں کے صرف لفظی مفہوم پر ہی مقید نہیں رہنا چاہتے۔ کیونکہ یہ بعید از انصاف ہوگا۔ ہم اس کے معاملہ میں بھی ان پیشگوئیوں کے سمجھنے کے لیے اس کامل وسعت کی رعایت رکھتے ہیں جو انکے حقیقی مفہوم تک پہنچنے کے لیے علمی طور پر ضروری ہے۔ ان پیشگوئیوں کے وسیع معنے سمجھنے میں انکے عام اسلوب اور اصل خاکہ کی حدود سے باہر نہیں جاسکتے۔ اور ان تمام وسعتوں اور گنجایشوں کی رعایت دینے کے بعد بھی بہاء اللہ کے دعوے اسلام کے خلاف ثابت ہوتے ہیں۔ اُس کی تو اپنی حالت یہ ہے کہ اپنی تصانیف میں ایک بات پر مستقل نہیں رہ سکا۔ ایک تصنیف میں جو کوئی دعویٰ کیا گیا ہے وہ دوسرے کے معارض اور مخالف ہے۔ اور اسی طرح دوسرا تیسرے کے اور تیسرا چوتھے کے وعلیٰ ہذا۔ یہ ایک ایسا صریح تعارض ہے کہ جس پر غالی بہائیوں کی بھی آنکھیں بند نہ رہ سکیں۔ باوجود یکطرفہ فیصلہ کر لینے کے اُنہیں اُنکی فطرتوں نے ملزم کر کے اس بات پر مجبور کیا کہ بہاء اللہ کی

اس اجتماع نقیضین کو کسی تعبیر سے ممکن کر دکھائیں۔ چنانچہ بعض مریدوں نے اس کی طرف سے یہ دعویٰ کیا کہ دراصل بہار اللہ ان پیشگوئیوں کے مطابق نہیں آیا تھا جو مہدی و مسیح کے متعلق ہیں بلکہ اور ہی پیشگوئیوں کے مطابق آیا۔ جیسے مثلاً مصنف بحر العرفان جو بہار اللہ کا ایک پکّا اور وفادار معتقد تھا اپنی ایک تصنیف میں لکھتا ہے کہ بہار اللہ کی آمد درحقیقت حضرت حسین کی دوبارہ آمد ہے۔ یعنی بہاء اللہ دراصل حضرت حسین ہے جو دوبارہ دنیا پر آیا ہے۔ جب قرآن و حدیث کے رو سے اسکا دعویٰ بے بنیاد سمجھ لیا تو پھر اس ضعیف بات پر سہارا لینے کی طرف رجوع کیا جو بعض شیعہ مانتے ہیں۔ شیعوں میں ایک گروہ اس بات کو مانتا ہے کہ حضرت مہدی کے بعد حضرت حسین دوبارہ دنیا پر نزول فرماویں گے۔ مگر بذات خود ایسا اعتقاد کسی مستند پیشگوئی کی بنیاد پر نہیں۔ نہ کہیں قرآن شریف میں اسکا ثبوت ہے اور نہ کسی حدیث نبوی میں اسکا کوئی مذکور ہے۔ اور نہ ہی سارے شیعہ صاحبان اس امر کے معتقد ہیں یہ صرف بعض بے سمجھ غلو پسند شیعہ داعیوں کی تفریط ہے۔ اس لیے اگر کوئی شخص اس کے مطابق بھی دعویٰ کرے تو وہ بھی نادانی اور غلطی ہے۔ لیکن بہار اللہ کے معاملہ میں تو نوبت یہانتک پہنچنے ہی نہیں پاتی۔ بات کا تو اُستاد شاگردوں کے مابین ہی قصہ تمام ہو جاتا ہے۔ اُستاد کچھ کہتا ہے شاگرد اس کے مرنیکے بعد اُسکو حسین بناتا ہے اُستاد نے کہیں دعویٰ نہیں کیا کہ میں حسین ہوں اور وعدہ کے موافق دوبارہ دنیا پر آیا ہوں۔ اب جس حال میں اُستاد یعنی خود مدعی ایک دعوے کو پیش کرنے کے بغیر ہی دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے تو کسی مرید یا شاگرد کو کیا حق پہنچتا ہے کہ اُس کے لیے کوئی ایسا دعویٰ یا خطاب تجویز کرے۔ غرض یہ ایسی بات ہے کہ جسکو ایک مسلمان کبھی قبول کر ہی نہیں سکتا۔ بابیوں کو بڑی مشکل تو علی محمد باب کو مہدی موعود قبول کرنے کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے۔ باب کا دعویٰ تھا کہ مسلمانوں میں جس موعود کے متعلق پیشگوئیاں موجود ہیں اور جس کی وہ انتظار کر رہے ہیں وہ سب میرے ظہور سے پوری ہو گئیں۔ اور میں "نقطہ" ہوں یعنی میں وہ نقطہ ہوں جس میں تمام پیشگوئیاں اکٹھی ہو کر ختم ہو جاتی ہیں۔ اب ایک طرف علی محمد باب کا دعویٰ کہ میں نقطہ ہوں یعنی تمام اسلامی پیشگوئیوں کے مطابق موعود ہو کر آیا ہوں۔ اور دوسری طرف بہار اللہ کا یہی دعویٰ کہ میں بھی تمام اسلامی پیشگوئیوں کے مطابق موعود ہو کر آیا ہوں۔ باہم نقیض ہیں۔ اگرچہ یہ امر ثابت ہے کہ ان دونوں کے دعاوی کو اسلامی پیشگوئیوں سے کوئی سروکار نہیں۔ بلکہ بالکل انکے مخالف ہیں۔ لیکن جہانتک باب اور بہار اللہ کے تعلقات ہیں اس حد تک بھی یہی نظر آتا ہے کہ باب کے دعوے کی موجودگی میں بہاء اللہ کا دعویٰ مضحکہ کی ہوا میں اُڑ جاتا ہے۔

بہار اللہ نے قرآن شریف کے بعض الفاظ کو عجیب طرح سے کھینچ تان کر اپنی آمد کا مؤید ثابت کرنے

میں بھی بہت ہاتھ پاؤں مارے۔ ایک کتاب میں اُس نے پہلے تو یہ دعویٰ کیا ہے کہ ''میری آمد سے قیامت کا دن قایم ہو گیا ہے'' پھر آپ ہی پوچھتا ہے '' اگر یہ قیامت کا دن ہے تو بہشت اور دوزخ کہاں ہیں؟'' اور آپ ہی اسکا جواب دیتا ہے ''اے شک کرنیوالے! میرا دیکھ لینا جنت ہے اور نہ دیکھنا دوزخ ہے'' پھر سوال کرتا ہے ''کیا مردے زندہ ہو گئے ہیں؟'' اور آپ ہی اُسکا جواب دیتا ہے ''ہاں! اُس رحمٰن کی روح آگئی ہے اور اُسے دیکھکر دوسری ارواح جسموں کی قبروں کے اندر خوشی کے مارے اُچھل اور کود رہی ہیں'' گویا یہی مراد مُردوں کے قیامت کے دن زندہ ہونیسے ہے پھر سوال کرتا ہے کہ ''کیا آسمان پھٹ گئے ہیں؟ یعنی وہ وعدہ پورا ہو گیا ہے جو قرآن شریف نے اذا السماء انشقت میں کیا تھا اور آپ ہی اسکا جواب دیتا ہے کہ ''آسمان تو اُسوقت پھٹ گئے تھے جب تم غفلت اور ضلالت کے گڑھوں میں پڑے ہوئے تھے''۔ ایک اور سوال کرتا ہے ''کیا ارواح سب جمع ہو گئے ہیں؟'' اسکا جواب دیتا ہے ''ہاں! بخدائے لایزال ارواح تو اسی وقت جمع ہو گئے تھے جب کہ تم ابھی خواب غفلت کی مہد میں لیٹے ہوئے تھے''

اسی طرح بہاء اللہ کا ایک مرید بڑی سنجیدگی سے اس بات پر دلایل پیش کرتا ہے کہ قرآن شریف میں جہاں کہیں یوم القیامۃ کا ذکر ہے وہ دراصل استعارہ کے الفاظ میں بہاء اللہ کے ظہور ہی سے مراد ہے۔ چنانچہ اس کی تائید میں وہ سورۃ الروم کی آیت ویوم تقوم الساعۃ یومئذ یتفرقون یعنی ''جس دن وہ گھڑی (قیامت) قایم ہوگی تو لوگ ایک دوسرے سے جُدا جُدا ہو جائیں گے'' پیش کرتا ہے۔ (دیکھو بحر العرفان صفحہ ۲۳۴) - اس آیت کے پیش کرنیسے وہ یہ استدلال کرتا ہے کہ قیامت کا دن ایسا ہوگا کہ جس میں تفرقہ اور جُدائی کا ہونا ممکن نہیں۔ اس لیے اس آیت میں الساعۃ سے مراد بہاء اللہ ہی کی آمد ہے۔ مگر یہ مطلب سوائے آیت کے معنوں کو کھلے طور پر بگاڑنے کے حاصل نہیں ہو سکتا۔ جو شخص چاہے قرآن شریف کو کھولکر دیکھ سکتا ہے کہ اس آیت میں اور اس کے ماقبل اور مابعد کی آیتوں میں قیامت کے دن کا ذکر ہے جس دن کوئی معبود اور شفیع فایدہ نہ دے گا۔ ایسا ہی قرآن شریف کی سورہ العنکبوت کی آیت ثم یوم القیامۃ یکفر بعضکم ببعض و یلعن بعضکم بعضا و ماوٰکم النار بھی بہاء اللہ کی آمد کے ثبوت میں پیش کی جاتی ہے۔ اور اس میں طریق استدلال یہ ہے کہ چونکہ بہاء اللہ اور اس کے مریدوں کو لوگوں نے لعنتوں کے طوق پہنائے اور انکی تکفیر اور انکار کیا اس لیے یہ آیت بھی بہاء اللہ کی آمد ہی کی پیشگوئی ہے۔ یہ ایک ایسی بعید از قیاس بات ہے کہ جسے بادی النظر میں ہی ایک معمولی سمجھ کا آدمی بھی پرلے درجہ کی ناواقفیت اور حماقت کہنے پر مجبور ہوجاتا

اور یہ اس بات کا ایک صریح ثبوت ہے کہ یہ لوگ قرآن شریف سے بالکل نابلد اور بے بہرہ ہیں۔ اس آیت سے پہلے حضرت ابراہیمؑ کا ذکر ہے۔ اور یہ ساری آیت اس طرح پر ہے ؎ ویلعن بعضکم بعضا۔ وماوٰلکم النار ومالکم من ناصرین۔ یعنی "ابراہیم نے کہا۔ تحقیق تم نے خدا کے سوا بتوں کے ساتھ اس دنیا کی زندگی میں محبت اختیار کر رکھی ہے۔ پھر قیامت کے دن بعض تمہارے بعض کا انکار کرینگے اور ایک دوسرے پر لعنتیں بھیجیں گے۔ اور تمہارا ٹھکانہ آگ ہوگا۔ اور کوئی تمہارا مددگار نہ ہوگا۔" یہ ہے آیت اور اس کا ترجمہ جس کو بہاء اللہ کی آمد کے ساتھ وابستہ کیا جاتا ہے۔ حالانکہ اس میں صریح طور پر حضرت ابراہیم کا خطاب اپنی قوم کو ثابت ہے۔ اور حقیقی طور پر قیامت کا ذکر ہے۔ کوئی سمجھدار آدمی ایک لمحہ کے لیے بھی یہ خیال نہیں کر سکتا کہ یہ آیت کسی طرح سے بہاء اللہ کی آمد کے متعلق ہو سکتی ہے۔

الغرض اس طرح مسلمانوں کے ہاں اپنی موعودیت جتلا کر بہاء اللہ نے یہ خیال کیا کہ یہاں تک بس نہیں کرنی چاہیئے دوسری قوموں کو بھی اپنے دام میں لانیکی کوشش کرنی چاہیئے۔ چنانچہ اسکے بعد عیسائیوں کی طرف متوجہ ہوا۔ اور انہیں کہا کہ میں یسوع مسیح کی پیشگوئیوں کے مطابق آیا ہوں۔ چنانچہ کتاب الاقدس میں اس بات پر زور دیا اور لکھا کہ "اے اہل انجیل! اب آسمان کا دروازہ کھولا گیا ہے۔ اور وہ جو اُوپر چڑھ گیا تھا اب نیچے آگیا ہے۔ اور وہ بر و بحر میں ندا کر رہا ہے۔ اور سب لوگوں کو اپنے ظہور کی خوشخبری سنا رہا ہے جو عظمت کی زبان سے نکلی ہوئی تھی۔ تحقیق وہ وعدہ اب پورا ہو گیا ہے اور وہ موعود اب سامنے کھڑا ہے۔" اس عبارت سے اس کی مراد یہ نہ تھی کہ گویا وہ خود یسوع مسیح ہے جو عیسائیوں کے اعتقاد کے موافق آسمان پر چڑھ گیا تھا۔ کیونکہ اس بیان کے بعد ہی اس نے ایک اور عبارت لکھی ہے اور اس میں لکھا ہے کہ میں وہ روح الصدق ہوں جو بائبل میں مذکور ہے ہم اس عبارت کو نیچے نقل کر دیتے ہیں۔ "کہو! میں خدا کی قسم کھاتا ہوں۔ تحقیق جو کچھ الٰہی کتب میں لکھا تھا۔ وہ پورا ہو گیا۔ تحقیق وہ جسکو پرانے عہدنامہ میں "یہوہ" کہا گیا ہے اور نئے عہدنامہ میں "روح القدس" بیان کیا گیا ہے اور قرآن میں "نباء عظیم" لکھا گیا ہے وہ یہی ہے۔"

یہ بات تو اوپر ثابت ہو چکی ہے کہ بہاء اللہ کا دعویٰ اسلامی پیشگوئیوں کی رو سے بالکل لغو اور بے ہودہ تھا اوّل تو نہ اس نے خود اور نہ اس کی طرف سے اسکو کسی مرید نے کبھی یہ دعویٰ پیش کیا کہ گویا وہ اس عہدہ پر ممتاز ہو کر آیا تھا جسکو اسلامی پیشگوئیوں کے مطابق مسلمان منتظر تھے۔ اور دوسرے جو دعوے اس نے کیے تھے اس کے متعلق کسی پیشگوئی کے وجود کا اسلام کے اندر کوئی ثبوت نہ دیا۔ اب ہمیں یہ

؎ وقال انما اتخذتم من دون الله اوثانا مودة بينكم في الحيوة الدنيا ثم يوم القيامة يكفر بعضكم ببعض

دیکھنا ضروری ہے کہ آیا وہ کسی عیسائی پیشگوئی کے مطابق مدعی ہوا تھا۔ یا اُس کے مزعومہ دعاوی کی تائید میں کوئی پیشگوئی عیسائی مذہب میں موجود ہے۔ سو واضح رہے کہ اناجیل میں دو الگ الگ پیشگوئیاں مذکور ہیں۔ ایک تو مسیح ؑ کی آمد ثانی کے بارہ میں ہے اور دوسری روح الصدق یعنی فارقلیط کی آمد کے متعلق ہے۔ یہ موخرالذکر پیشگوئی یوحنا کی انجیل کے باب ۱۶ - آیات ۱۲-۱۳-۱۴ میں یسوع کی طرف سے بالفاظ ذیل منقول ہے "مجھے ابھی تمکو اور بھی بہت کچھ کہنا ہے۔ لیکن اب تم میں انکے برداشت کی طاقت نہیں مگر جب وہ یعنی روح الصدق آئیگا تو تمھیں صدق کی طرف رہنمائی کریگا۔ ...... اور آنیوالی چیزیں تمکو دکھائیگا" اور اسی انجیل کے ایک اور مقام پر لکھا ہے "وہ تمھیں ایک اور تسلی دینے والا دیگا کہ تا وہ ہمیشہ تمھارے ساتھ رہے"۔ مسیح کی دوبارہ آمد کے متعلق پیشگوئی مفصل طور پر متی کی انجیل میں لکھی ہوئی ہے۔ اور یہ دونوں جُدا جُدا پیشگوئیاں ہیں۔ انکو باہم مخلوط کرنا سخت غلطی ہے۔ عیسائیوں کے نزدیک فارقلیط والی پیشگوئی تو روح القدس کے نزول سے پوری ہوگئی۔ یہ روح القدس عیسائی تثلیث کا جزو ثالث ہے جو حواریوں پر نازل ہوا تھا۔ اور دوسری پیشگوئی انکے اعتقاد میں ابھی تک پوری نہیں ہوئی۔ وہ اس کے مطابق اُسی مسیح کے نزول کے منتظر بیٹھے ہیں۔ کیونکہ انکے خیال میں وہ مسیح آسمان پر چڑھ گیا تھا اور وہی دوبارہ نازل ہوگا۔ لیکن ان پیشگوئیوں کی اس تعبیر سے مسلمانوں کو اتفاق نہیں۔ کیونکہ جو کچھ عیسائیوں نے سمجھ رکھا ہے وہ محض ایک خیالی بات ہے جسکی تائید سوائے اوہام غالبہ کے اور کسی دلیل معقول اور واقعہ صحیحہ سے نہیں ہوتی۔ اور مسلمان جو کچھ اس کا مطلب سمجھتے ہیں وہ معقولات اور منقولات صحیحہ معتبرہ اور مستندہ اور دلایل قویہ پر مبنی ہے۔ چنانچہ فارقلیط موعود کی جو پیشگوئیاں ہیں وہ آنحضرت محمد مصطفےٰ صلعم بانئ اسلام کے ظہور سے پوری ہوئیں اور یہی مسلمانوں کا ایمان ہے۔ اور نزول ثانی مسیح سے مراد اسلام میں اُمت محمدی میں سے ایک شخص موعود کی آمد ہے جو مسیح ناصری کی روحانیت لیکر نازل ہوگا۔ اس کی تفصیل اوپر بیان ہو چکی ہے کہ اس موعود سے مراد حضرت مسیح ناصری اسرائیلی کا آنا نہیں کیونکہ وہ قرآن شریف کی شہادت سے اپنی عمر طبعی گذار کر اس دار فانی سے عالم بقا کو رخصت ہو چکے ہیں۔ اور اس عالم میں جو لوگ جا پہنچتے ہیں اُنکا لوٹ کر یہاں آنا ممتنع ہے۔ اور سوائے اس کے سلسلہ محمدیہ اپنی اہمیت اور عظمت کے لحاظ سے ایسے مسیح کی خدمت کا محتاج نہیں اور نیز اُنکا نبی اسرائیلی اور اُمت محمدی میں سے ہونا دونوں مختلف امور ہوتے ہیں۔ اس لیے اس سے مراد ایک عظیم الشان شخص کا اُمت محمدیہ میں سے آنا ہے جو اپنے خواص اور فضائل میں مسیحیت کا رنگ رکھتا ہو اور اس دین کی خدمت کی ذمہ واری کا بوجھ اُٹھانیکی قابلیت رکھتا ہو۔

غرض اس سارے بیان سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ بہاء اللہ کی آمد عیسائیوں کی مسلمہ پیشگوئی کے

موافق بھی نہیں ثابت ہو سکتی۔ بلکہ اُسکے دعوے کا تار پود ہی شکستہ ہو جاتا ہے اور گر کر خاک میں مل جاتا ہے۔ نہ صرف واقعات کی بحث اور تطبیق ہی بہاء اللہ کے دعوے پر پانی پھیرتے ہیں بلکہ اسکا اپنا اقبال ہی اس کو اس دعوے میں جھوٹ اور افترا کا ملزم قرار دیتا ہے۔ اس نے شاہ ایران کے نام ایک عرضداشت میں نہایت وضاحت کے ساتھ اسی پیشگوئی کا جو اناجیل میں فارقلیط کے متعلق ہے آنحضرت سرور کائنات محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو مصداق قرار دیا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ ایک پیشگوئی جو کسی ایک موعود کے متعلق ہو اسکے دو مصداق تو ہو نہیں سکتے۔ اور خصوصاً جس حال میں بہاء اللہ خود ہی اُس پیشگوئی کو آنحضرت صلعم پر چسپاں کرتا ہے اور اسکو ثابت کرنے پر ہر طرح زور دیتا ہے تو پھر کونسی گنجایش باقی رہتی ہے کہ اسی پیشگوئی کا مصداق اسکو بھی سمجھا جائے۔ پس یہ بات بہاء اللہ کے اپنے مصداق ہونیکے ادعا کو خاک میں ملا دیتی ہے۔ اور اس کو اس کے اپنے ہی کہنے سے ملزم کرتی ہے۔ بہائی عقاید کے وکلا نے اپنی طرف سے زور دیکر اسکو کچھ کا کچھ بنانے میں فرق تو نہیں کیا۔ ہر ایک وادی میں عقل کے جا سوس کو پھیرا اور جہاں کہیں کسی موعود کے متعلق کوئی بات نظر آئی وہ سب بہاء اللہ کے دامن میں ڈالنے کی کوشش کا بیڑا اُٹھایا۔ اور مدعی سُست گواہ چُست ضرب المثل کو اپنے حسب حال کر دکھایا۔ اور تو کہیں سے مصنف "بحر العرفان" کی کوتہ اندیش قلم کے توسن نے اس عرصہ میں سب سے بڑھکر قدم بڑھایا۔ اور دروغگو را حافظہ نباشد کا نمونہ بن دکھایا۔ ایک طرف بہاء اللہ کو تمام پیشگوئیوں کے مطابق اُتارا۔ اور دوسری طرف عیسائیوں کی مسلمہ تمام پیشگوئیوں کو مرسلین کے سردار محمد مصطفےٰ صلعم کے حق میں ثابت کر کے بہاء اللہ کے پوزیشن کو اور بھی خراب کر دیا البتہ بعض دوسرے حامیوں نے ذرا آگے قدم بڑھایا۔ اور ہر طرف سے گھبرا کر انگوروں کے باغ کے مالک والی تمثیل جو انجیل میں لکھی ہے بہاء اللہ پر اسی کا رنگ چڑھایا۔ اس تمثیل کو اُس کے وجود پر لگانے کا یہ راستہ نکالا کہ نوکروں کا جو اس میں ذکر ہے اس سے مراد نبیوں کو ٹھہرایا۔ اور انگوروں کے باغ کے مالک کا بیٹا مسیح ناصری کو سمجھایا۔ اور بہاء اللہ کو باغ کا مالک بیان کیا جو سب سے پیچھے آیا۔ اور اور وہ جو حقیقت میں ہر ایک فضیلت اور عظمت کا مالک اُمّی عربی محمد صلعم ہے اس کے لیے صرف مہر انبیاء کا مقام مقرر کرایا۔ اور اُن کے سلسلہ کو ایک خاص مشن بنایا۔ ان ساری متزلزل سراسیمگیوں کا نتیجہ سوائے اس کے اور کیا بنا کہ بہاء اللہ نہ روح الصدق یعنی فارقلیط رہا اور نہ مسیح ثانی ہوا۔

(نوٹ۔ یہ مضمون ناتمام رہا ہے باقی اگلے سال میں آئیگا)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک نئی سوانح عمری

سوانح عمری حضرت محمدؐ صاحب بانی اسلام۔ ایک چھوٹی سی کتاب کا نام ہے جسکو شرمیہ پرکاش دیو جی پرچارک براہمہ دھرم نے لکھکر حال میں ہی شائع کیا ہے۔ اگرچہ کتاب چھوٹی ہے مگر بلحاظ مضامین کے نہایت قیمتی ہے۔ قابل مصنف نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے واقعات کو ایسی منصفانہ طرز سے مگر ساتھ ہی ایسی قابلیت کے ساتھ پیش کیا ہے کہ بہت سے اعتراضات جو اکثر متعصب مخالفین اسلام جیسے آریہ صاحبان یا پادری صاحبان کیا کرتے ہیں۔ جیسے جنگوں کے متعلق یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تعدد ازواج کے متعلق۔ وغیرہ۔ انکی تردید ساتھ ساتھ ہی ہوتی چلی گئی ہے۔ شروع سے اخیر تک اس کتاب کو پڑھ جاؤ مگر ایک فقرہ بھی ایسا نہ پاؤ گے جو دُکھ دینے کے لیے لکھا گیا ہو۔ آجکل کا عام طریق یہ ہے کہ جب ایک غیر مذہب والا دوسرے مذہب کے متعلق لکھتا ہے تو خوبیوں کو بھی عیب بناکر دکھانیکی کوشش کرتا ہے مگر شرمیہ پرکاش دیو جی نے اس تحریر میں اس صلح کا رنگ اختیار کیا ہے جسکی طرف اسلام بلاتا ہے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ یہ چھوٹی سی تصنیف ملک کے لیے نہایت مفید ہوگی اور اسی قسم کی اور تصانیف شائع ہوکر صلح کی بنیاد ڈالنے والے مذہبی لٹریچر میں ترقی ہوگی۔ اُمید ہے کہ ہندو صاحبان جو اسلامی مذہبی کتابوں کے مطالعہ سے محروم ہیں اس مختصر سی کتاب کو پڑھکر بانی اسلام کی زندگی کے صحیح واقعات اور آپکے صحیح حالات کے اطلاع حاصل کرینگے۔ ہماری یہ بھی خواہش ہے کہ مسلمان بھی اس کتاب کو خریدیں اور پڑھیں یا اپنے ہندو دوستوں کو بطور تحفہ دیں۔ تاکہ بہت سی غلطیاں جو تعصب کے ساتھ پھیلائی گئی ہیں دُور ہوں۔ کتاب کی قیمت صرف ۵ رہے ملنے کا پتہ یہ ہے۔ مینجر براہمہ دھرم پرچار آفس لاہور۔

نقشہ اُجرت اشتہارات درسالہ ریویو آف ریلیجنز انگریزی و اردو

میعاد	پورا صفحہ انگریزی	پورا صفحہ اُردو	نصف صفحہ انگریزی	نصف صفحہ اُردو	چوتھائی صفحہ انگریزی	چوتھائی صفحہ اُردو	[illegible]
انہ	للعہ	صعہ	صعہ	سہ	ععہ	عسہ	
ہی	صعہ	سہ	صعہ	عہ	عہ	ععہ	
ہی	ععہ	عہ	عہ	عتہ	۸	۸	
دفعہ	۸	۸	صہ	صہ	۸	۸	

تمام درخواستیں بنام نائب ناظم میگزین۔ قادیان ضلع گورداسپور آنی چاہییں۔